حصہ نثر

(۱) سیرت

سیرت کے معنی ہیں طریقہ اور زندگی۔ یہ لفظ زندگی کے حالات و واقعات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ حضرت محمدؐ کی زندگی اور حالات کے بارے میں جو کچھ بتایا یا لکھا جاتا ہے۔ اسے آپؐ کی سیرت کہتے ہیں اور یہی پاک سیرت اہل ایمان کے لئے نمونے کا کام دیتی ہے اور زندگی کے ہر شعبے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ اسلام کے ابتدائی دور سے آج تک آپؐ کی پاک سیرت پر شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اُردو میں مولانا شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، محمد سلیمان منصور پوری، ابوالحسن علی ندوی، ابوالکلام آزاد، نسیم صدیقی، ماہر القادری اور دوسرے بہت سے ادیبوں اور علماء نے سیرت پر کتابیں لکھی ہیں۔

خواجہ غلام السیدین

خواجہ غلام السیدین ایک نامور اور متند ماہر تعلیم تصور کیے جاتے ہیں۔ اُن کے والد کا نام خواجہ غلام الثقلین تھا جو الطاف حسین حالی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ خواجہ غلام السیدین ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو پانی پت میں پیدا ہوئے۔ میٹرک سے بی۔ اے تک ہر امتحان میں اول آئے۔ سرکار کی طرف سے آئی۔ سی۔ ایس کرنے کے لئے انگلستان بھیجے گئے مگر انہوں نے حاکم بننے کی جگہ معلم بننا پسند کیا۔ انگلستان سے ایم۔ ایڈ کی ڈگری خصوصی امتیاز کے ساتھ حاصل کی اور علی گڑھ انگلش اسکول کے سربراہ مقرر ہوئے۔ پھر ٹیچرس ٹریننگ کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے کام کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے امریکہ کی مختلف یونیورسٹیوں میں بھی ٹیچر اور پروفیسر کے فرائض انجام دیے ہیں۔

خواجہ غلام السیدین تحریر تقریر دونوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ اُن کی تحریریں زیادہ تر انگریزی زبان میں ہیں۔ اُردو میں روحِ تہذیب، آندھی میں چراغ، اصول تعلیم، قومی سیرت کی تشکیل وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں، قول و فعل دونوں کی حیثیت سے وہ ایک سچے معلم تھے۔ انہوں نے ۱۹ دسمبر ۱۹۷۱ء کو علی گڑھ میں انتقال کیا۔

انسانِ کامل

سوال نمبر ۱:۔ حضرت محمدؐ کو زندگی کے ابتدائی دور میں کن مشکلات سے سابقہ پڑا؟

جواب:۔ آپؐ کی پیدائش سے چند ماہ پہلے آپؐ کے والد محترم کا انتقال ہوا، چھ سال کی عمر میں ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا ابھی ان کی عمر آٹھ بھی نہیں تھی کہ دادا اس دنیائے فانی سے چل بسے اس طرح حضورؐ کو زندگی کے ابتدائی دور میں مشکلات کا سامنہ کرنا پڑا۔

Scanned with CamScanner

سوال نمبر۲:۔ کن خصوصیات کی بنا پر حضرت خدیجہؓ آپ سے متاثر ہوئیں؟

جواب:۔ حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کی دیانت داری، امانت داری اور سمجھ داری سے متاثر ہوئیں۔

سوال نمبر۳:۔ معرفتِ الٰہی اور خدمت خلق کی وضاحت کیجئے؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ کی پاک اور مقدس زات کو پہچاننے کے عمل کو معرفتِ الٰہی کہتے ہیں۔ عبادت، تقوٰی، پرہیز گاری ایسی صفات ہیں جن کی بدولت انسان معرفتِ الٰہی کے درجے کو پہنچ سکتا ہے۔

خدمت خلق سے مراد اللہ تعالیٰ کے مخلوق کی خدمت کرنا محتاج، مظلوم اور بے بس انسانوں کی مدد کرنا اور بے سہاروں کو سہارا دینا خدمت خلق ہے۔

خالی جگہوں کو پُر کیجئے:

دل کی آنکھیں تو قدرت نے ابتداء اس روشن کی تھیں۔ ان باہر کی آنکھوں نے بھی انسان کی گمراہی اور زوال کے منظر دیکھے جس میں دل پر چوٹ پڑی۔

الفاظ	مصدر	الفاظ	مصدر
دیکھ	دیکھنا	جا	جانا
کھا	کھانا	آ	آنا
سو	سونا	پی	پینا
پڑھ	پڑھنا	لکھ	لکھنا
لا	لانا	بیٹھ	بیٹھنا

مصدر	فعل امر	مصدر	فعل امر
بیٹھنا	بیٹھ	گھومنا	گھوم
روٹھنا	روٹھ	سنورانا	سنوار
چمکنا	چمک	بولنا	بول
تولنا	تول		

Scanned with CamScanner

واحد	جمع	واحد	جمع
سبب	اسباب	مقصد	مقاصد
فرض	فرائض	حالت	حالات
روح	ارواح	منظر	مناظر
معلم	معلمین	نقشہ	نقوش

انفارمیشن ٹیکنالوجی

سوال نمبر۱:۔ابتدائی دور کے انسان کی زندگی کیسی تھی؟

جواب:۔ابتدائی دور کا انسان لاعلمی اور بے خبری کی زندگی بسر کرتا تھا۔وہ سائنسی ترقی سے محروم تھا۔اس کے پاس خبر رسانی کوئی طریقہ نہ تھا اور آمد و رفت کے طریقے بھی محدود تھے۔

سوال نمبر۲:۔آج کے عہد کو "انفارمیشن ٹیکنالوجی کی صدی" کیوں کہا گیا ہے؟

جواب:۔موجودہ دور میں انسان دنیا بھر کے تمام حالات و واقعات سے باخبر رہتا ہے۔گھر بیٹھے دنیا کے کسی بھی حصے میں رونما ہونے والے واقعات کو نہ صرف کانوں سے بلکہ آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے عزیز و عقارب سے بات چیت کر سکتے ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ گھر بیٹھے تعلیم، کاروبار، صحت اور بیماری سے متعلق مفید مشورے دستیاب ہو سکتے ہیں۔اسی لیے آج کے عہد کو انفارمیشن ٹیکنالوجی کی صدی" کہا گیا ہے۔

سوال نمبر۳:۔ہماری زندگی میں ٹیلی وثیرن کی کیا اہمیت ہے؟

جواب:۔موجودہ دور میں وثیرن انسان کی زندگی کی ضرورت بن گیا ہے۔ٹیلی وثیرن کے ذریعے ہم دنیا بھر میں رونما ہونے والے حالات و واقعات کو گھر بیٹھے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر ترتیب دیے گئے پروگرام جیسے تفریحی، علمی، مذہبی، سائنسی اور معلوماتی پروگرام ۲۴ گھنٹے دیکھ سکتے ہیں۔

سوال نمبر۴:۔کمپیوٹر نے ہماری زندگی کے ہر سعبہ کو کس طرح متاثر کیا ہے؟ تفصیل سے لکھیے؟

جواب:۔عہد حاضر میں کمپیوٹر نے زندگی کے ہر سعبے کو متاثر کیا ہے۔ذاتی کوموں کے علاوہ تقریباً ہر محکمے کے کام کاج کیلئے کمپیوٹر کا استعمال ناگزیر بن گیا ہے۔بینکوں میں کھاتوں کے حساب و کتاب اور اعداد و شمار میں کمپیوٹر کا خاص عمل دخل ہے۔سرکا

Scanned with CamScanner

ری ونجی دفتروں میں سارا ریکارڈ کمپیوٹر میں جمع کیا جاتا ہے۔ تعلیمی اداروں میں دخل عمل وغیرہ کیلئے کمپیوٹر کا استعمال روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ محکمہ صحت میں بیماریوں کی تشخیص میں کمپیوٹر کافی مدد دیتا ہے۔ اس کے علاوہ کاروباری کاموں میں کمپیوٹر گراں قدر خامات انجام دیتا ہے۔

سوال نمبر۵:۔ انٹرنیٹ کے کیا فائدے ہیں؟

جواب:۔ انٹرنیٹ کی مدد سے انسان گھر بیٹھے دنیا بھر کی معلومات کم وقت اور کم خرچ میں حاصل کر سکتا ہے۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے عزیز و عقارب سے کسی بھی وقت رابطہ کر سکتا ہے۔ تعلیم، صحت اور بیماری سے متعلق مشورے حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کاروباری کاموں کیلئے بھی انٹرنیٹ کافی سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔

سوال نمبر۶:۔ ای۔میل سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ ای۔میل الیکٹرانک میل کا مختصر نام ہے۔ اس سے مراد ہے برقی تاروں کے ذریعے دنیا کے کسی بھی حصے میں پیغامات پہنچانا۔ یہ عمل اتنا تیز ہے کہ اس لمحوں میں انجام دیا جا سکتا ہے۔

نذیر احمد ملک

نذیر احمد ملک کی تاریخ پیدائش ۳۱ دسمبر ۱۹۵۶ء ہے۔ انہوں نے کشمیر یونیورسٹی سے اُردو میں ایم۔اے اور پی۔ایچ۔ڈی کرنے کے علاوہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے لسانیات میں بھی ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی ہے۔ میسور سے علم صوتیات میں دو ایڈوانسڈ کورسز بھی پاس کئے ہیں۔ وہ اس وقت کشمیر یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو میں پروفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ تدریس تحقیق اور تنقد ان کی دلچسپی کے خاص میدان میں چنانچہ ان کے کئی علمی، تنقیدی اور تحقیقی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی کتاب ''اُردو رسم خط، ارتقاء اور جائزہ پر جموں وکشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز نے انہیں سٹیٹ ایوارڈ سے نوازا ہے۔ وہ قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان نئی دہلی اور نیشنل بک ٹرسٹ آف انڈیا نئی دہلی کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ ایک درجن سے زائد طلباء نے ان کی نگرانی میں ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ تدریس اور تحقیق کے ساتھ ساتھ وہ کئی ادبی اور علمی و تعلیمی انجمنوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔

اردو کہاں پیدا ہوئی

عجائب خانہ : وہ جگہ جہاں قدیم اور نادر چیزیں دیکھنے کو ملتی ہوں۔

متعین : مقرر کیا ہوا۔

ارتقاء : ترقی۔

Scanned with CamScanner

اہلِ دکن : دکن کے لوگ۔

رنیتہ : ملی جلی زبان۔

تاخیر : دیر۔

متضاد : ایک دوسرے کی ضد۔

پیچ دار : پیچیدہ۔

قابلِ قبول : قبول کرنے کے قابل۔

گرد و نواح : اردگرد۔

تشکیل : شکل دینا۔

رائج : جاری۔

لفظ	معنی
نمایاں :	صاف
زائل ہونا :	کم ہونا۔
معاصرین :	ہم عصر، ایک ہی زمانے کے

سوال نمبر۱:۔ اردو اور کشمیری میں شامل چند مشترکہ الفاظ اپنی کاپی پر لکھئے؟

جواب:۔ اردو اور کشمیری میں شامل چند مشترکہ الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

قلم، نظر، شکل، دور، ممکن، آواز، صاف، اثر، اندر، وغیرہ۔

سوال نمبر۲:۔ سوچ کر بتایئے کہ درج ذیل زبانیں کہاں بولی جاتی ہیں؟

زبان	علاقہ	زبان	علاقہ	زبان	علاقہ
کشمیری	کشمیر	ملیالم	کیرلا	تامل	تامل ناڈو
ڈوگری	جموں	کنڑ	کرناٹک	پنجابی	پنجاب

سوال نمبر۳:۔ برصغیر ہندو پاک کو زبانوں کا عجائب گھر کیوں کہا گیا ہے؟

جواب:۔ برصغیر ہندو پاک میں لاتعداد زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان زبانوں کا تعلق مختلف خاندانوں سے ہے اور ان میں قدیم

Scanned with CamScanner

وجدید دونوں زبانیں شامل ہیں اس لئے برصغیر ہندو پاک کو زبانوں کا عجائب گھر کہا گیا ہے۔

سوال نمبر۴:۔ ''اردو کہاں پیدا ہوئی'' عنواں کے تحت مقابلے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، ان کو اپنے مختصر الفاظ میں تحریر کیجئے؟

جواب:۔ برصغیر ہندو پاک میں لاتعداد چھوٹی بڑی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان تمام زبانوں کے خطے اور علاقے متعین ہیں اور اسی وجہ سے بیشتر زبانوں کے نام اپنے اپنے خطوں اور علاقوں کی نسبت سے قرار پائیں ہیں۔ لیکن اُردو وہ واحد زبان ہے جس کا کوئی علاقہ یا خطہ مقرر نہیں ہے۔ البتہ کم یا زیادہ نظر آتے ہیں۔ اُردو زبان نے اپنے ارتقاء کے دوران مختلف نام تبدیل کئے ہیں جیسے ہندی، ریختہ وغیرہ۔ اُردو اس زبان کا جدید ترین نام ہے۔ اُردو اصل معنوں میں ایک مخلوط زبان ہے جو ہندوستان میں مسلمان کی آمد کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں کی سماجی اور معاشرتی ضرورتوں کے پیش نظر اُبر کے سامنے آئی۔

ماہرین نے اُردو کی جائے پیدائش سے متعلق مختلف جگہوں جیسے دیلی، پنجاب، سندھ، دکن وغیرہ کی بات کی ہے لیکن ان نظریوں میں مسعود حسین خان کے نظریے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کے مطابق اردو دہلی اور اس کے گردونواح کھڑی بولی اور برج بھا شا کا اہم رول ہے۔ بعد میں جوں جوں اردو ترقی کرتی گئی ان بولیوں کے اثرات کم ہوتے گئے۔

لفظ	ضد	لفظ	ضد
تنزل	ارتقاء	آسان	مشکل
خاص	عام	قدیم	جدید
تعجیل	تاخیر/ستی	دور	نزدیک
پوشیدہ	عیاں	عیاں	نہاں

شمیم احمد شمیم

(1934 - 1990ء)

حالاتِ زندگی:۔ شمیم احمد شمیم ۱۹۳۴ء میں شوپیان کے ناسنور گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد سرینگر کے ایس۔ پی کالج میں داخلہ لیا۔ بی۔ اے کا امتحان پاس کرتے ہی محکمہ اطلاعات میں ملازمت مل گئی۔ اس میں اُن کو ماہنامہ ''تعمیر'' کی ادارت سونپی گئی۔ ملازمت سے مستعفی ہوکر چناچہ علی گڑھ چلے گئے اور ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان پاس کرنے کے بعد سرینگر کی عدالت میں وکالت کرنے لگے۔ ۱۹۶۴ء میں ہفت روزہ ''آئینہ'' نکالنا شروع کیا۔ شمیم احمد شمیم ملک کی پارلیمنٹ کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ اُن کا مستقل کالم ''چراغ بیگ'' ایک ادب پارہ تصور کیا جاتا ہے۔ شمیم احمد شمیم یکم مئی ۱۹۸۰ء کو پنتالیس سال کی عمر مین اس دُنیا سے اُس وقت منہ موڑ کر چلے گئے جب اُن کی

Scanned with CamScanner

ذہنی صلاحیتیں اپنے شباب پر تھیں۔

دیوان مرحوم کی یاد میں

سوال ا:۔

الفاظ	:	معنیٰ
مرحوم	:	مرا ہوا، فوت شدہ۔
گریہ	:	رونا، آہ وزاری کرنا۔
ماتم	:	مرنے کا غم، رنج، ملال۔
سرد مہری	:	بے مروتی، بے وفائی، سنگ دلی۔
افسردہ	:	غمگین، مرجھایا ہوا، اُداس۔
رعنائی	:	خوش خرامی، حُسن۔
مرگ ناگہانی	:	وہ موت جو اچانک آئے۔
سُن ہونا	:	بے حس، بے ہوش، بے خبر۔
تعزیت پُرسی	:	ماتم پرسی، مردے کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی۔
بے رُخی	:	بے مروتی۔
بے مروتی	:	بے توجہی۔
صدمہ	:	تکلیف، مصیبت۔

الفاظ	معنیٰ
گھائیل	زخمی، دل فگار
خَلا	خالی جگہ، زمین سے اوپر کا وہ خِطہ جہاں زمین میں کشش ثقل کا اثر نہیں ہوتا۔
قلمبند	لکھا ہوا۔
زینت	زیبائش، خوبصورتی۔
دقیانوسی	پرانا، قدیمی، فرسودہ۔

Scanned with CamScanner

تضیعِ اوقات : وقت گنوانا، عمر رائیگاں کرنا۔

معیوب : عیب دار، بُرا، قابلِ شرم

معجزہ : وہ کام جو انسانی طاقت سے باہر ہو۔

معدودے چند : گنتی کے، بہت تھوڑی تعداد میں۔

غلاظت : گاڑھا پن، کوڑا کرکٹ، گندگی۔

زہد و تقویٰ : پرہیز گاری، خدا کا خوف۔

گل افشانی : خوش بیانی سے باتیں کرنا۔

طلسمات : حیرت میں ڈالنے والا منظر، جادو کے تماشے (واحد، طلسم)

تفسیر : تشریح، تفصیل، اصطلاحاً قرآن شریف کی شرح۔

رِیت : فائدہ، قانون، رسم و راج۔

سوال نمبر۲:۔ ا) مضمون نگار کس تصور سے کانپتا ہے؟

جواب:۔ مضمون نگار اس تصور سے کانپتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے قریب ترین رشتہ دار، عزیز ترین دوست یہاں تک کہ اُس کے بیوی بچے اُسے اُسی طرح بھلا دیں گئیں جس طرح وہ اپنے مرحوم باپ، موحوم بھائی اور عزیز ترین دوست عبدالقادر دیوان کو بھول چکا ہے۔

سوال نمبر۲:۔ دیوان صاحب کی شخصیت کے بارے میں ایک مختصر نوٹ لکھئے؟

جواب:۔ دیوان صاحب عمدہ شاعرانہ مذاق رکھنے کے ساتھ ایک ایمان دار تاجر تھے۔ وہ بات کے سچے اور وعدے کے پکے تھے صرف ۲۶ سال کی عمر میں اپنے علاقے کے بزرگوں کی صف اول میں شمار ہونے لگے۔ دیوان صاحب ایک مذہبی آدمی تھے اور اپنے دوستوں کے سوا کسی سے بے تکلف نہ ہوئے تھے۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ رندی و سرمستی کی باتیں کرتے تھے لیکن تہذیب و شائستگی کے دامن کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔

سوال نمبر۳:۔ تشبیہ کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند ٹھہرانے کو تشبیہ کہتے ہین یعنی جب کسی چیز کے بارے میں کہا جائے کہ وہ کسی دوسری چیز کی طرح ہے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔ مثلاً اسلم شیر کی طرح بہادر ہے۔ یہاں اسلم کو شیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

Scanned with CamScanner

ماحولیاتی آلودگی

الفاظ		معنی
غلاظت	:	گندگی۔
فضلات	:	فضلہ کی جمع، پاخانہ۔
اطراف	:	طرف کی جمع۔
جوانب	:	جانب کی جمع۔
مسموم	:	زہر ملا ہوا۔
جنگ وجلال	:	لڑائی، مار کٹائی۔
کثافت	:	غلاظت، گاڑھا پن۔
پرت	:	تہہ، پوست۔
قوی الجثہ	:	مضبوط جسم کا، ہٹا کٹا۔
دیوہیکل	:	دیو کا سا جسم رکھنے والا۔
ڈائناسار	:	ایک قدیم بڑا جانور جو اب ناپید ہو چکا ہے۔
گرین ہاؤس افیکٹ	:	خانہ سبز کے اثرات۔
اوزون (لیر)	:	فضا میں موجود ایک قدرتی پرت جو ہمیں سورج کی بالابنفشی شعاعوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

سوال نمبر۱:۔ ماحولیاتی آلودگی سے کیا مُراد ہے؟

جواب:۔ ماحولیاتی آلودگی سے مراد گردوپیش کے ماحول یعنی ہوا، پانی اور زندگی کے دوسرے سامان کا گندہ یا آلودہ ہونا ہے۔

سوال نمبر۲:۔ قدرت کے دو انمول تحفے کون سے ہیں؟

جواب:۔ ماحول اور آب وہوا قدرت کے دو انمول تحفے ہیں۔

سوال نمبر۳:۔ جنگلات کی کٹائی سے کوس سے خطرات پیدا ہو گئے ہیں؟

جواب:۔ جنگلات کی کٹائی کا براہ راست نتیجہ یہ ہے کہ بارش کا توازن بگڑ چکا ہے اور مٹی کا بڑا حصہ دریاؤں اور سمندروں میں ضم ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ سیلاب سے ہر سال ملک کو سخت سے سخت نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور ان سب سے حفاظت

Scanned with CamScanner

کیلئے جنگلات کا ہونا اشد ضروری ہے۔

سوال نمبر۴:۔ کیوں کہا گیا؟

بڑے اور صنعتی شہروں میں آج سانس لینا بھی مشکل ہے؟

جواب:۔ بڑے اور صنعتی شہروں میں آج سانس لینا بھی مشکل ہے کیونکہ وہاں، کارخانوں اور فیکٹریوں سے نکلنے والے دھوئیں اور چھوٹی بڑی گاڑیوں سے خارج شدہ زہریلی گیسوں کی کثافت ہے۔ جہاں ایک طرف دھوئیں کی کثافت کے سب سانس میں عدم توازن اور آنکھوں میں جلن کا احساس مستقل جڑ پکڑ لیتا ہے، وہیں دوسری زہریلی گیسوں کی وجہ سے سانس لینا مشکل ہے۔

سوال:۔ جنگلات کی حفاظت کرنا انتہائی ضروری ہے؟

جواب:۔ جن گلات بارش کیلئے ضروری ہیں اس کے علاوہ مٹی کے کٹاؤ کو روکنے میں جنگلات مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ سیلاب اور دوسری قدرتی آفات سے حفاظت کیلئے بھی جنگلات کا اہم کردار ہے۔

سوال:۔ توازن ذرا بھی بگڑا تو زندگی کیلئے سخت خطرہ لاحق ہو جائے گا؟

جواب:۔ قدرتی ماحولیات کا تناسب وتوازن نباتات کیلئے بہت ض روری ہے اور اگر توازن ذرا بھی بگڑا تو زندگی کیلئے سخت خطرہ لاحق ہو جائے گا۔

مندرجہ ذیل مصادر کے حاصل مصدر لکھئے:

مصدر	حاصل مصدر	مصدر	حاصل صدر
ڈانٹنا	ڈانٹ	لکھنا	لکھ
ہنسنا	ہنس	ٹوکنا	ٹوک
ہارنا	ہار	خریدنا	خرید
ناچنا	ناچ		

ڈراما

ڈراما یونانی زبان کے لفظ ''ڈراؤ'' سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں عمل، ایکشن یا حرکت جبلہ لفظ ڈراما کے معنی ہیں ''کر کے دیکھنا''۔ ہر زبان اور ہر ملک کی تعریف کے مطابق ڈراما انسانی زندگی کی عملی تصویر ہے۔ ڈرامے کی یہ بھی تعریف کی گئی ہے کہ ڈراما انسانی اعمال کی ہو

Scanned with CamScanner

بہونقل ہے جو کہ اداکوروں کے ذریعے اسٹیج پر لوگوں کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ اور جو بالکل سچی اور حقیقی معلوم ہوتی ہے۔

ڈرامے نے سب سے پہلے یونان اور ہندوستان میں آنکھیں کھولی اور انہی ممالک میں اس اصول بھی وضع کیے گئے۔ بھرت منی اپنی کتان ٹاٹیہ شاشتر میں آواز لباس موسیقی رقص اور جسمانی اعضاء کی حرکت کو ڈرامے کے لئے لازمی اجرا بتائے ہیں۔ جب کہ ارسطو نے اپنی کتاب بوطیقا میں قصہ کردار، مکالمہ موسیقی اور مرکزی خیال کو ڈرامے کے پانچ اجزائے ترکیبیں بتائے ہیں۔ ڈارمے کی بہت سی قسمیں ہیں مثلاً المیہ، طربیہ، الم طربیہ، تاریخی، معجزاتی، فارسی، میلو، ڈریم، اوپیرا وغیرہ۔

ڈراما کا آغاز اودھ میں نواب واجد علی شاہ نے رادھا کنھیا (۱۸۴۴) لکھ کر کیا۔ علاوہ ازیں امانت لکھنوی (اندر سبھا) آغا زعلی تاج (انارکلی) آغا خزر کاشمیری (اسیر حرس) محمد مجیب (خانہ جنگی) شوکت تھانوی (لاٹری کا ٹکٹ) وغیرہ نے عمدہ ڈرامے لکھے ہیں۔

شوکت تھانوی

شوکت تھانوی کا اصلی نام محمد عمر تھا۔ وہ اُردو کے مشہور مزاح نگار تھے۔ مزاحیہ تحریروں اور ناولوں کے علاوہ انہوں نے ریڈیو کے لئے ڈرامے بھی لکھے ہیں۔ اُن کے قلم میں بلا کی روانی تھی۔ روزمرہ کی باتوں اور آئے دن پیش آنے والے واقعات کو اس مزے سے بیان کیا ہے کہ پڑھنے والا بے اختیار ہنس پڑتا ہے۔ وہ شوخی اور ظرافت کے ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ تحریر میں تہذیب سے گری ہوئی بات یا فقرہ نہ آنے پائے۔ سودیشی ریل، موجِ تبسم، طوفانِ تبسم، شیش محل، جوڑ توڑ، قاضی جی اور کارٹون وغیرہ اُن کی مشہور کتابیں ہیں۔ ڈراما لاٹری کا ٹکٹ ان کی کتاب نئی نسانی سے لیا گیا ہے۔ شوکت تھانوی نے شاعری بھی کی ہے لیکن وہ مزاحیہ شاعری نہیں بلکہ سنجیدہ غزل گوئی ہے۔

لاٹری کا ٹکٹ

الفاظ		معنی
اختلاج	:	بے چین ہونا دل دھڑکنا۔
سائیں	:	بھکاری۔
موئی	:	اُجڑی، مُردہ، خراب۔
پھکنی	:	کر آگ سلگائی جاتی ہے۔
واقعی	:	سچ سچ۔
معمہ	:	پہلی، پیچیدہ، بات۔
خیالی پلاؤ کھانا	:	ایسی باتیں سوچنا جو ممکن نہ ہوں۔
لاحول ولاقوۃ الا باللہ:		کسی کو طاقت وقدرت حاصل نہیں سوائے اللہ کے (یہ کلمہ نفرت ہے اور اسے نفرت

Scanned with CamScanner

اور بیشاری کے مواقع پر بولا جاتا ہے)

سوال نمبر۱:۔ منشی جی کو کس کا انتظار تھا؟

جواب:۔ منشی جو کو لاٹری کے ٹکٹ کا انتظار تھا۔

سوال نمبر۲:۔ منشی جی یہ منصوبے باندھ رہے تھے کہ جب لاٹر ہاتھ لگے گی تو وہ ایک کوٹھی خریدے گا، گھر میں کئی نوکروں کو لائے گا، اپنے بیٹے کو کسی انگریزی اسکول میں داخل کرے گا اور ایک مہنگا باورچی لائے گا۔

سوال نمبر۳:۔ ڈاکیہ کیا پیغام لایا؟

جواب:۔ ڈاکیہ نے محمود بھائی کا تار لایا، جس میں لکھا تھا کہ کل شام رضو نے انتقال فرمایا۔

سوال نمبر۴:۔ ڈراما ''لاٹری کا ٹکٹ'' کی پوری کہانی اپنے الفاظ میں لکھیے؟

جواب:۔ منشی جی ڈراما ''لاٹری کا ٹکٹ'' کا مرکزی کردار ہے۔ اسے لاٹری کے تار کا بے صبری سے انتظار تھا۔ وہ اپنی بیوی کو لاٹری کا ٹکٹ دینے کیلئے کہتا ہے۔ اسی اثنا میں سلیم اسٹیج پر آتا ہے۔ منشی جی سلیم سے کہتا ہے کہ آج اُس کا تار آنے والا ہے۔ منشی سلیم سے کہتا ہے کہ اس نے ایک کوٹھی خریدنے کا ارادہ کیا ہے۔ اسی دوران منشی کی بیوی اسٹیج سے گزرتی ہے اور اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ بے وقوفوں کی سی باتیں نہ کرئے۔ منشی بیوی سے کہتا ہے کہ اس کا مزاق نہ کیا جائے وہ کل پرسوں ہی اُسے موٹر پر لے کر وہ کوٹھی دکھائے گا۔ سلیم کو منشی کی کسی بات پر یقین نہیں ہوتا ہے اور وہ منشی سے کہتا ہے کہ وہ اتنے برے خیالی منصوبے کیوں بنا رہا ہے؟ منشی جواب دیتا ہے کہ اس نے لاٹری کا ٹکٹ لیا ہے اور اب کی بار اسے لاٹری مل کر ہی رہے گی، اس لئے وہ پہلے سے ہی منصوبہ بنا رہا ہے کہ پیسے کہاں لگانے ہیں۔ سلیم منشی سے دریافت کرتا ہیت کہ اس نے اور کیا کیا منصوبے باندھے ہیں۔ منشی جواب دیتا ہے کہ وہ ایک لکھ پتی بننے والا ہے۔ اسی اثنا میں ڈاکیہ آتا ہے اور منشی اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے، اسکی بیوی باغ باغ ہو جاتی ہے اور سلیم بھی تذبذب میں پڑھ جاتا ہے۔ منشی تار لاتا ہے اور بیوی کو اپنے ہاتھوں سے کھولنے کیلئے کہتا ہے بیوی کھول کر سلیم کو پڑھنے کے واسطے دیتی ہے۔ تار محمود بھائی کا تاھ اور اس میں لکھا تھا کہ کل رات بھابی جان (رضو) کا انتقال ہو گیا اور منشی غش کھا کر اسٹیج پر گر رُتا ہے۔

سوال نمبر۵:۔ ان کرداروں پر مختصر نوٹ لکھیے؟

منشی جی:۔ منشی جی ڈراما کا مرکزی کردار ہے وہ خیالوں کی دنیا میں رہتا ہے۔ پیسے ہاتھ میں آنے سے قبل ہی وہ بڑے بڑے، منصوبے باندھ رہا ہے۔ وہ بغیر کچھ کئے سب کچھ صاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے خوابوں کو پورا کرنے کیلئے لاٹری کا سہارا لینا چاہتا ہے لیکن اس کی یہ حسرت پوری نہیں ہوتی ہے۔

سلیم:۔ سلیم ایک سنجیدہ آدمی ہے۔ وہ نہ ہی خیالوں کی دنیا میں رہتا ہے اور نہ ہی منشی کو خیالوں کی دنیا میں رہنے کا ساتھ دیتا ہے۔ وہ حقیقیت پر یقین رکھتا ہے۔

Scanned with CamScanner

ڈاکیہ:۔ڈاکیہ اپنی ڈیوٹی کا پابند ہے وہ کہانی میں صرف ایک بار نمودار ہوتا ہے اور بغیر کچھ بات کئے اسٹیج سے چلا جاتا ہے۔

درج ذیل جملوں میں سے صفت ذاتی کے تین درجے تلاش کیجئے:

محمد اکرم ذہین طالب علم ہے۔	تفضیل نفسی
محمد اسلم اکرم سے بھی زیادہ ذہین ہے۔	تفضیل بعض
لیکن محمد اشرف سارے طالب علموں سے ذہین ہے۔	تفضیل کل
گگرناگ اچھی جگہ ہے۔	تفضیل نفسی
پہلگام اس سے بھی بہتر ہے۔	تفضیل بعض
گلمرگ بہترین جگہ ہے۔	تفضیل کل

مندجہ ذیل الفاظ کو اس طرح جملوں میں استعمال کیجئے کہ تذکیر و تانیث واضح ہو جائے۔

بات:۔ مجھے اس کی باتیں ابھی بھی یاد ہیں۔

تار:۔ آپ کو میرا تار ملا۔

دولت :علم بڑی دولت ہے۔

چاند:۔ چاند رات کو چمکتا ہے۔

انعام:۔ مجھے انعام ملا۔

افسانہ

افسانہ کے لغوی معنی ہیں قصہ، کہانی، حکایت۔انگریزی میں اسے شارٹ سٹوری (Short Story) کہتے ہیں۔اور مغربی ادب کے زیر اثر اُردو مین کا آغاز ہوا۔بحثیت صنف افسانہ سے مُراد ایک ایسی نثری کہانی ہے جس میں زندگی کے ایک پہلو کو اس طرح پیش کیا جائے کہ قاری کی اس میں دلچسپی پیدا ہوا اور جو زندگی کی بصیرت مین اضافی کرے۔ایڈگر ایلن پو کے مطابق افسانہ ایک ایسی کہانی ہے جس کے پڑھنے میں آدھہ گھنٹہ تک کا وقت لگے۔افسانہ کے اجزائے ترکیب مین پلاٹ کردار وحدت تاثر اور نقطہ نظر شامل ہے علاوہ ازین ایجاز اختصار افسانہ کے لئے لازمی ہیں۔

اُردو میں افسانہ کا آغاز منشی پریم چند نے کیا۔پریم چند کے علاوہ سعادت حسین منٹو، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چند، قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین وغیرہ نے قابل ذکر افسانے لکھے ہیں۔

Scanned with CamScanner

پشکر ناتھ

پشکر ناتھ سرینگر کے محلہ بٹہ پار میں ۳۱ مئی ۱۹۲۲ء کو پیدا ہوئے۔ بی اے کرنے کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی اور ایک مدت تک اکاونٹنٹ جنرل کے دفتر سے منسلک رہے۔ عمر کا زیادہ حصہ جموں میں گزارا۔ پشکر ناتھ ہماری ریاست اور بیرون ریاست کے ادبی حلقوں میں اچھی طرح متعارف ہیں۔ ان کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۵۳ء میں ملک کے نامور جریدے بیسوں صدی میں ان کے پہلے افسانے کہانی پھر ادھوری رہی کی اشاعت سے ہوا۔

پشکر ناتھ افسانوں کے جو مجموعے شائع ہو کر مشہور ہو چکے ہیں۔ ان میں اندھیرے اُجالے، ڈل کے پاس، عشق کا پاند، اندھیرا اور کانچ کی دنیا شامل ہیں۔ پہلے دو مجموعوں پر انہیں ریاستی کلچرل اکادمی کی طرف سے انعامات ملے۔ افسانوں کے علاوہ انہوں نے بہت سے ریڈیائی اور اسٹیج ڈرامے بھی لکھے ہیں۔ ان ڈراموں کو بھی وقتاً اعزازت سے نوازا گیا ہے۔ پشکر ناتھ جموں میں انتقال کے گئے۔

درد کا مارا

الفاظ		معنی
ھقّے کی نے	:	ھقّے کی نلی
منقش	:	نقش و نگار سے آراستہ۔
تپائی	:	تین پایوں والی چھوٹی میز۔
من موہنی	:	من کو موہ نے والی، دل کو بس میں کرنے والی۔
نہین	:	باریک، نازک۔
فوکس ٹراوٹ والٹز	:	وہ مشہور مغربی رقص۔
ملبوس	:	لباس، پوشالی، جمع ملبوسات۔
فرئیر	:	سمور (بالوں والی کھال) کا تاجر۔
ٹیکسی ڈرمسٹ	:	پوسٹ انبار، کھال چڑھانے والا۔
Stuffed	:	مردہ پرندوں اور جانوروں میں روئی یا اس طرح کی دوسری چیزیں بھر کر انہیں اصلی شکل دے دینا Stuff کرنا کہلاتا ہے۔

الفاظ		معنی
بارہ سنگھا	:	بارہ سینگوں والا ہرن۔

Scanned with CamScanner

مارخور : بھیڑ سے مشابہ ایک جانور جو سینگوں کے بل کود لگاتا ہے۔

ہوکرسر : کشمیر میں واقع ایک جھیل۔

دانتوں تلے : حیران ہونا۔

انگلی دبانا

والی : حکمران، بادشاہ۔

چشم زدن : پلک، جھپکتے ہی، فوراً۔

اَسرر : سِر کی جمع، بھید، راز، پوشیدہ باتیں۔

رموز : رمز کی جمع، اشارا۔

آباوئی : باپ دادا کا، موروثی، خاندانی۔

شاہی بیمار : تپ دق۔

ہاؤس بوٹ : پانی پر تیرنے والی کشتی نما مکان

سیّاح : سیلانی، سیر وسیاحت کرنے والا۔

چکاچوند : آنکھوں کو جھپکنے پر مجبور کرنے والی تیز روشنی۔

فنکارانہ مہارت : ماہرانہ ہنرمندی، کاریگری۔

کرشمہ : معجزہ، چمتکار۔

صاحبِ حیرت : اعلیٰ حیثیت، مرتبہ، درجہ کا ملک۔

کلمہ حیرت : حیران کرنے والا لفظ۔

اظہار انبساط : خوشی ظاہر کرنا۔

روپہلی لیکر : روپا یعنی جاندی جیسی سفید لیکر۔

جہاں دیدہ : دنیا کو دیکھا ہوا تجربہ کار۔

باوقاد : متین، سنجیدہ، قدر ومنزلت والا۔

دھان پان : دُبلی پتلی، نازک اندام۔

رب جلیل : خدائے بزرگ وبرتر۔

زقند : چلانگ، کود۔

ٹائیگر کب : چیتے کا بچہ۔

Scanned with CamScanner

اریب قریب : آس پاس

کمتی : کم

جاستی : زیادہ۔

پیوست کرنا : گاڑ دینا۔

شہ رگ : رگ جان۔

بلاشبہ : بے شک، کسی شک کے بغیر۔

آگ کی نذر : جل جانا۔

دام : قیمت۔

ولایت : غیر ملک، اس لفظ سے عام طور پر انگلستان مراد لیا جاتا ہے۔

مہارت : اُستادی، کاریگری۔

صاحب جایداد : وہ شخص جس کے پاس جائیداد ہو۔

فنکار : جو فن جاننے کی مہات رکھتا ہو۔

محروم : ناکام۔

منافع : نفع

اُجرت : محنتانہ۔

نفی : کسی چیز کے وجود سے انکار۔

لائیک : انگریزی لفظ (Like) پسند۔

اپن : اپنا

گل : انگریزی لفظ (Kill) مارنا۔

کاسٹ پرائس : انگریزی لفظ (Cost Price) قیمت خرید۔

میٹریل کا کاسٹ : مواد کی قیمت (Material Cost)

مذکورہ پیراپشکر ناتھ کے افسانہ ''درد کا مار'' سے لیا گیا ہے۔ صمد جو کی دکان پر ایک سجا سجایا چیتے کا بچہ دیکھکر انگریز سیاح لڑ کی کے پاس یہ بچہ خریدنے کے لئے پورے پیسے یاس تھے۔ مگر وہ اس کو خریدنے کے لئے بے قرار تھی وہ بار بار آتی اور چیتے کے بچے کو دیکھکر چلی جاتی۔ صمد جو سمجھ گیا کہ یہ لڑکی اپنی پسند کی چیز خریدنا چاہتی ہے اور اس کے پاس پورے پیسے نہیں تھے یہ ایک طرح کی بے بسی ہے اور آدمی اس حال میں بہت مجبور ہو جاتو ہے جیب میں پیسے نہ ہوں اور آدمی پسند کی چیز یدنے سکے میرے لئے یہ بڑا گناہ ہے، دراصل

Scanned with CamScanner

صمد جو نے بچپن میں ایسی حالت کا تجربہ کات تھا، اسی لئے انگریز سیاح لڑکی پر ترس آ گیا۔

مذکورہ جملہ پشکر ناتھ کے افسانہ ''درد کا مارا'' سے ماخوذ ہے اس افسانہ میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ ۱۹۴۷ء سے پہلے کے ماحول سے بھارا گیا ہے اُس وقت پورے ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی۔ انگریز بہت دور سے آئے تھے اور ہندوستان پر راج کرنے لگے۔ انکی حکومتس کا نظام دھوکہ دہی پر چکتا تھا۔ وہ مکار تھے انہوں نے یہاں چاندی کے سکے جاری کیے۔ لوگوں کیلئے تعلیم کا انتظام کیا، اور انگریزی طریقہ علاج کو رواج دیا مگر لوگوں کو غلام بنایا۔

مذکورہ بیان پشکر ناتھ کے افسانہ ''درد کا مارا'' سے لیا گیا ہے صمد جو کے باپ کا نام رمضان جو تھا۔ وہ اگر چہ ماہر کاری گر تھا لیکن بہت غریب آدمی تھا۔ دونوں باپ بیٹے ایک شخص کے پاس نوکری کرتے تھے اور مشکل سے گذارہ ہو پاتا تھا۔ صمد جو کی ماں کھانا پکانے کیلئے چولے میں گیلی لکڑیاں جلاتی تھی اُن کا زہریلا دھواں بہت خطرناک تھا۔ اسی دھویں سے اُس بیچاری کو تپ دِق کی بیماری لگ گئی اور وہ مرد گئی۔ اصل میں افسانہ نگار رمضان جو کی غریبی کا حال بیان کر رہا ہے۔

سوال نمبر۱:۔ صمد جو نے جانوروں کی کھالوں میں نیا جسم فِٹ کرنے کا فن کس سے سیکھا تھا؟

جواب:۔ صمد جو نے جانوروں کی کھالوں میں نیا جسم فِٹ کرنے کا فن اپنے باپ رمضان سے سیکھا تھا۔

سوال نمبر۲:۔ صمد جو تھوڑے عرصے میں صاحب حیثیت تاجروں میں کیوں شمار ہونے لگا؟

جواب:۔ صمد جو کی فنکارانہ مہارت، اُن تھک محنت اور سادہ طبیعت کی وجہ سے اس کی تجارت بہت کامیاب ہوگئی اور قلیل مدت میں وہ صاحبِ حیثیت تاجروں میں شمار ہونے لگا۔

سوال نمبر۳:۔ صمد جو نے چیتے کے بچے کی قیمت کیوں کم کی؟

جواب:۔ صمد جو نے جب لڑکی کو کئی بار دکان کے چکر لگاتے دیکھا اسے اپنے بیتے دن یاد آ گے جب وہ مفلسی کے عالم میں تھا۔ صمد جو کو یہ احساس ہوا کہ شاید اس لڑکی کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ وہ چیتے کو خرید سکے اور انسانیت کے واسطے اس نے چیتے کے بچے کی قیمت کم کر دی۔

سوال نمبر۴:۔ انگریز لڑکی نے چیتے کے بچے کی پہلے سے قیمت سُن کر صمد جو سے کیا کہا؟

جواب:۔ لڑکی نے صمد جو سے کہا کہ کشمیر کے سب لوگ دھوکے باز ہیں پہلے بہت زیادہ قیمت بولتے ہیں اور پھر کم قیمت بیچتے ہیں۔ ۱۷۸۰ روپے کے بجائے لڑکی نے صمد جو سے کہا کہ پانچ سو روپے لینے ہیں تو لو ورنہ اس چیتے کا بچہ نہیں خریدنا ہے۔

سوال نمبر۵:۔ کشمیر میں پائے جانے والے اُن جانوروں، پرندوں اور جھیلوں کے نام لکھئے جن کا ذکر اس افسانے میں

Scanned with CamScanner

آیا ہے؟

جواب :۔ جانوروں کے نام :۔ چیتا، بارہ سنگھ اور مارخور۔

پرندوں کے نام :۔ مرغابیاں، راج ہنس، رام چڑیا اور مانس بل کی بطخیں۔

جھیلوں کے نام :۔ جھیل ولر، جھیل ڈل اور ہوکر سر۔

مختصر نوٹ لکھئے :۔

افسانہ اردو میں مختصر افسانہ وہی نثری صنف ہے جسے انگریزی مین ''شارٹ سٹوری'' کہا جاتا ہے۔ اردو ادب میں یہ صنف انگریزی ادب کے اثر سے آئی ہے اور اس کا آغاز بیسویں صدی ہوا۔

اصطلاح میں مختصر افسانہ سے مراد ایسی نثری کہانی ہے جس میں کوئی ایسا واقع بیان کیا گیا ہو جس کی ابتداء ہو، ارتقاء ہو اور جو زندگی کی بصیرت میں اضافہ کرے۔ افسانے میں ایک یا ایک سے زیادہ کردار ہو سکتے ہیں اور افسانہ نگار کرداروں کے ذریعے سے زندگی کے کسی پہلو کو پیش کرتا ہے۔ ناول کے مقابلے میں افسانے میں اختصار سے کام لیا جاتا ہے اور اس طرح اختصار افسانے کا ایک لازمی عنصر بن جاتا ہے۔ اس اختصار کی بنا پر افسانے کی یہ تعریف بھی کی گئی ہیں کہ کوئی ایسا واقع جو اپنی جگہ مکمل ہو اور ایک ہی میں پڑھا جا سکے۔

ناول

ناول انگریزی زبان کا لفظ ہے اور اطالوی زبان کے لفظ ناویلا سے مشق ہے۔ ناویلا کے معنی نیا کے ہیں۔ ناول انگریزی ادب کے زیر اثر اردو میں آیا۔ اردو ادب کی دوسری بیشتر اصناف کی طرح ناول کی بھی کوئی جامع، مکمل اور حتمی تعریف ممکن نہیں ہے۔ موضوع کے اعتبار سے دور حاضر میں ناول کی ایک سادہ سی تعریف یہ کی گئی ہے کہ یہ ایک ایسا نثری قصہ ہے جس میں عصری عہد کے پیش منظر میں فرد اور سماج کی کشمکش دکھائی گئی ہو۔

ناول نگاری مخصوص لفظ نگاہ سے زندگی کی تصویر کشی کرنے کا ایک انوکھا فن ہے حقیقت کی تخلیق کا روپ دے کر یا تخلیق کو حقیقت کا جامہ پہنا کر کچھ اس طرح پیش کرنا قصے کی حثیت سے اس کے تمام اجزاء میں تال مین اور ہم آہنگی قائم رہے۔ ناول کا فن کہلاتا ہے فنی اور بنیادی اعتبار سے ناول کے نمایاں اجزائے ترکیبی پلاٹ، کردار، مکالمہ، منظر نگاری، نظریہ، اور موضوع ہیں۔ 1860ء کے آس پاس ڈپٹی نذیر احمد نے اردو کا اولین ناول مراۃ العروس لکھا نذیر احمد کے بعد حالی

Scanned with CamScanner

کا مجالس النساء، رتن ناتھ سرشار کا فسانہ آزاد، سجاد حسین کا حاجی بغلول، محمد ہادی رسوا کا امراؤ جان اور پریم چند کے چوگان ہستی، میدان عمل، گئو دان، عصمت چغتائی کا ضدی، قرۃ العین حیدر کا آگ کا دریا، خدیجہ مستور کا آنگن، کرشن چندر کا آتش چنار اور مٹی کے صنم اردو زبان و ادب میں ناول کے مدارج کے سنگ میل سمجھے جاتے ہیں۔

کرشن چندر

کرشن چندر کی ولادت ۲۳ نومبر ۱۹۱۲ء کو بھرت پور راجستھان میں ہوئی۔ ان دونوں اُن کے والد میڈیکل آفیسر تھے۔ کرشن چندر کے بچپن میں ہی وہ ملازمت کے سلسلے میں پونچھ آ گئے اور اپنے تمام اہل خانہ کو ساتھ لے کر کافی برسوں تک کے لئے مقیم ہو گئے۔ کرشن چندر نے آٹھویں تک کی اپنی پڑھائی کا سارا عرصہ پونچھ کے مشہور سکول وکٹوریہ جوبلی ہائی سکول میں گزارا جو تقسیم وطن کے بعد اسلامیہ اسکول پونچھ کہلایا۔

سولہ برس کی عمر میں کرشن چندر کو اعلیٰ اور بہتر تعلیم کے لئے جان سے عزیز پونچھ کو چھوڑ کر ۱۹۲۹ء میں لاہور روانہ ہونا پڑا۔ جہاں انہوں نے فارمن کرسچن کالج سے ایف ایس سی کرنے کے فوراً بعد ۱۹۳۳ء میں بی اے کر لیا۔ بعد ازاں انہوں نے ایم اے انگریزی کی ڈگری بھی حاصل کی اور لاء کالج لاہور سے ۱۹۲۷ء میں قانون کی ڈگری ایل ایل بی بھی مکمل کر لی۔ کرشن چندر کے افسانے اس وقت کے مشہور اُردو مسائل و جرائد ہمایوں، ادبی دنیا، ادب لطیف، شاہکار رنگ خیال، عالمگیر وغیرہ میں چھپتے رہے۔ ۱۹۳۹ء میں اُن کا پہلا افسانوی مجموعہ ''طلسمِ خیال'' شائع ہوا جب کہ اُن کا پہلا ناول ''شکست'' ۱۹۴۳ء میں شائع ہوا۔

کرشن چندر کے کچھ اہم ناول یہ ہیں۔ جب کھیت جاگے، باون پتے، طوفان کی کلیاں، ایک گدھے کی سرگزشت، غذار، ایک عورت ہزار دیوانے، آسمان روشن ہے، کاغذ کی ناؤ، لندن کے سات رنگ اور میری یادوں کے چنار وغیرہ انہوں نے بچوں کے لئے خصوصی طور پر تین مختصر اور دلچسپ ناول بھی لکھے۔ چڑیوں کی الف لیلیٰ، الٹا درخت اور لال تاج۔

۱۹۷۴ء میں کرشن چندر نے آخری بار اپنے اہل خانہ کے ساتھ پونچھ کا سفر کیا۔ آخر کار ۱۹۷۷ء میں ۶۴ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔

میں ایک شہر تھا ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ پونچھ

الفاظ		معنی
آفتاب	:	سورج
مسرّت	:	خوشی
گھڑیاں (گھڑی)	:	وقت کا ایک حصہ (ایک گھڑی = دن ۵/۲ یا رات)

Scanned with CamScanner

نرگس	:	ایک خوبصورت پھول
واردی	:	گھاٹی
کاہستان	:	پہاڑی سلسلہ
سنگم	:	ملن ملاپ
واقف	:	جانکار
اسکیچ	:	تصویروں کی کتاب۔
ٹیلہ (ٹیلا)	:	مٹی کا بڑا تودہ، چھوٹی پہاڑی۔
قلعہ	:	وہ محفوظ اور سنگین عمارت جس میں بادشاہ یا فوج رہے۔
ائرپورٹ	:	ہوائی اڈہ
فوارہ	:	پُھہار، پانی کو اچھالنے کا آلہ
باغات	:	باغ کی جمع
عمدہ	:	اعلیٰ، اچھا، خوب
عالی نسب	:	بلند مرتبہ والے، عزت دار
جانب		طرف، سمت
ہمالیہ	:	دُنیا کے سب سے بلند پہاڑ کا نام
ذہن	:	دماغ، عقل
بالائی	:	ملائی
باورچی	:	کھانا پکانے والے۔ رسوئیا
مسحور	:	جس پر جادو کا اثر ہو جائے
خفیہ	:	پوشیدہ، چھپا ہوا
تحفہ	:	سوغات، انعام، ہدیہ۔
مبہوت	:	حیران، ہکا بکا۔

Scanned with CamScanner

داستان	:	کہانی طویل حکایت
بدمعاش	:	وہ شخص جس کی روزی بُرے کاموں پر منصر ہو کچا۔لفنگا۔
قصہ	:	ذکر، بیان، کہانی۔
مختصر	:	اختصار کیا گیا، چھوٹا۔

سوال نمبر۱:۔ناول کسے کہتے ہیں؟ ناول کے فن پر ایک مختصر نوٹ لکھئے؟

جواب:۔ناول اطالوی زبان کے لفظ ''ناویلا'' سے مشق ہے۔جس کے معنیٰ ہیں نیا اردو ادب میں یہ صنف انگریزی ادب کے زیر اثر وجود پایا ہے۔چناچہ اس صنف کو یہ نام دیا گیا۔اصطلاح میں ناول اس نثری تحریر کو کہتے ہیں جس میں ایسی کہانی بیان کی

گئی ہو جو زندگی کی ترجمانی کرتی ہو۔ناول کا فن دراصل معاشرتی یا انفرادی زندگی کی فکر سے ایک نئی حقیقت خلق کرتا ہے جو زندگی کیی ترجمانی کرتی ہو۔ناول کا فن دراصل معاشرتی یا انفرادی زندگی کی تصویر کسی کا فن ہے۔ناول نگاری اپنی فکر سے ایک نئی حقیقیت خلق کرتا ہے۔جو دراصل زندگی کے حقائق سے ماخود ہوتی ہے۔ناول کے اجائے ترکیبی میں کہانی، پلاٹ، کردار، مکالمہ، منظر نگاری اور نظریہ حیات کو شامل کیا جا سکتا ہے۔لیکن ایسی بھی ناول کھے گئے ہیں جن میں راویتی اجزائے ترکیبی نہیں ملتے ہیں۔

اردو میں ناول نگاری کا آغاز نذیر احمد نے کیا انہوں نے مراۃ العروس توبتہ انصوح وغیرہ جیسی جاندار ناولیں تحریر کیں۔اس کے بعد سرشار، ہادی رسوا، پریم چند وغیرہ نے اس صنف کو آگے بڑایا۔جدید دور کے ناول نگاروں میں قراۃ العین حیدر، منٹو، بیدی عزیز احمد، عبداللہ، حسین وغیرہ خاص طور پر اہم ہیں۔

سوال نمبر۲:۔کرشن چندر کے مختصر حالات زندگی اور اُن کی ناول نگاری پر نوٹ لکھئے؟

جواب:۔کرشن چندر ۱۹۱۳ء میں بھرت پور (راجستھان) میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد میٹریکل آفیسر تھے اور آپ بچپن میں ہی ملازمت کے سلسلے میں پونچھ آ گئے اور کافی عرصہ تک پونچھ میں مقیم ہوئے۔آپ نے آٹھویں جماعت تک کی پڑھائی۔وکٹوریہ جوبلی ہائی سکول پونچھ میں حاصل کی، جو تقسیم وطن کے بعد اسلامیہ اسکول پونچھ کہلاتا۔سولہ برس کی عمر میں آپ کو اعلیٰ تعلیم کیلئے پونچھ چھوڑ کر لاہور جانا پڑا جہاں انہوں نے فارمن کرسچن کالج سے لجا اے کا امتحان پاس کیا۔اس کے

بعد انہوں نے ایم اے انگریزی کی ڈگری حاصل کی اور ساتھ ہی ایل، ایل، بی کی ڈگری مکمل کی۔اس کے بعد آپ نے

Scanned with CamScanner

تحقیقی کام کا ارادہ کیا لیکن مالی دشواری کی وجہ سے یہ کام ادھورا چھوڑ کر ریڈیو میں ملازمت کی۔ کچھ عرصہ کے بعد فلموں میں کام کرنے کی غرض سے ممبئی چلے گئے اور وہاں کئی ادباء کی صحبت نے اُن کے فن کو پختہ کر دیا۔ آخر ۱۹۷۷ء میں انتقال کر گئے۔

سوال نمبر۴:۔ کرشن چندر نے پونچھ کو روم کے ساتھ تشبیہ کیوں دی، وضاحت کیجئے:

کرشن چندر کے مطابق جس طرح پونچھ بھی خوبصورت ٹیلیوں پر آباد ہے اُسی لئے کرشن چندر نے پونچھ کو روم کے ساتھ تشبیہ دی۔

سوال نمبر۵:۔ کرشن چندر اپنے والد کے ساتھ شاہی محل میں کیوں گئے اور وہاں واقعہ پیش آیا؟

جواب:۔ کرشن چندر کے والد ڈاکٹر تھے جب وہ راجا کو دیکھنے گئے تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بھی شاہی محل میں ساتھ لیا۔ وہاں دو راجکماروں نے کرشن چندر کا خوبصوت وزیر آبادی چاکو چھین لیا اور اس کو بہت پیٹا۔

۳) ''میں ایک شہر تھا۔۔۔۔۔۔ پونچھ'' کا خلاصہ لکھئے:

''میں ایک شہر تھا۔۔۔۔ پونچھ'' کرشن چندر کے سوانحی ناول مٹی کے صنم سے ماخوذ ہے۔ ناول کے اس حصے میں کرشن چندر لکھتے ہیں کہ بچپن کی وہ تمام یادیں جو پونچھ کے ساتھ وابستہ ہیں آج بھی اسکے دل میں تازہ ہیں۔ اسکی یاد ہر وقت پونچھ کے اردگرد رہتی ہے۔ بڑے بڑے کوہستانی راستے اُسے بہت یاد آتے ہیں بے تاز کا دریا اور پونچھ کے دریا سنگم پر یہ شہر واقع۔ کرشن چندر کے مطابق پہلے زمانے میں کوئی راجہ پن نش تھا اُسی نے یہ شہر آباد کیا اور بعد میں نام بگڑ کر پونچھ کہلایا۔ کرشن چندر مذید لکھتے ہیں کہ میں بیس سال سے ممبئی میں دہ رہا ہوں اور ٹھیک سے تیس لوگوں کو بھی نہیں جانتا۔ اس کے برعکس جب میں پونچھ میں رہتا تھا تو وہاں کے تیس ہزار لوگوں کو اچھی طرح جانتا تھا اور آج بھی وہ لوگ مجھے پوری طرح یاد ہیں اور برابر ان کی یاد آتی رہتی۔

کرشن چندر پونچھ کو روم کے ساتھ تشبیہ دے کر کہتا ہے کہ اگر روم سات ٹیلوں پر آباد ہے تو پونچھ بارہ ٹیلوں پر آباد ہے۔ ایک ٹیلے پر پونچھ کا پرانا قلعہ، دوسرے ٹیلے پر پونچھ کا شاہی محل، تیسرے ٹیلے پر وزیر وزرات کی کوٹھی، چوتھے ٹیلے پر فوج کی پریڈ گراؤنڈ، پانچویں پر ہسپتال چھٹے ٹیلے پر ادالتیں اور اسی طرح باقی اہم مقامات باقی ٹیلوں پر آباد ہے تین طرف سے بازار ڈھلوانوں سے سروع ہو کر شہر کے بیچوں بیچ ملتے ہیں۔ آخری ٹیلے پر ایک فوارہ باغ ہے جہاں کئی طرح کے میوے درخت ہیں جیسے لوکاٹ، انار، ناشپاتی وغیرہ۔

کرشن چندر اپنے بچپن کے اسکول کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اُس کا اسکول شہر میں تھا لیکن اُس کا پلے گراؤنڈ شہر

Scanned with CamScanner

سے باہر تھا۔ یہ بہت وسیع اور خوبصورت پلے گراؤنڈ تھا اور اس کی گھاس نرم اور ملائم تھی۔ اس میدان کے وہ طرف چیڑ کے درخت تھے، ایک طرف سے برفیلی چوٹیاں نظر آتی تھیں اور ایک طرف صاف وشفاف ندی بہتی تھی جب کھیلنے کے دوران بچوں کو پیاس لگتی تھی تو وہ فوراً اس ندی پر جا کر اپنی پیاس بجھا کر آتے تھے۔

کرشن چندر بچپن کی ایک یادگاہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ اس کو اپنے والد نے شاہی محل میں لیا۔ اس کے والد ڈاکٹر تھے۔ جب وہ راجا کو دیکھنے گئے تو کرشن چندر محل کے ایک حصے میں کھیلنے گیا۔ وہاں پر دو راجکمار اور ایک شاہی باورچی کا بیٹا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو اپنی چیزیں دکھانے لگے۔

شاہی باورچی کے بیٹے نے بے تاز کے دریا کے عمدہ پتھر دکھائے۔ ایک راجکمار نے کرشن چندر سے یہ چاقو چھین لیا اور اپنی جیب میں رکھ دیا۔ دوسرا راجکمار چندر نے جب اپنا چاقو مانگا تو انہوں نے اسے مارا اور وہ روتا ہوا اپنے پتا کے پاس فریاد کرنے گیا کرشن چندر کے پتا نے اس کو بہت مارا اور کہا کہ تم نے راجکمار پر ہاتھ کیوں اٹھایا۔ اس طرح کہ تم نے راجکمار پر ہاتھ کیوں اٹھایا۔ اس طرح سے وہ راجکمار کرشن چندر کا چاقو لینے میں کامیاب ہوا۔

کرشن چندر لکھتے ہیں کہ اس چاقو کی یاد آج بھی میرے دل میں تازہ ہے اور ایک طرح سے میں نے آج تک جو کچھ لکھا ہے وہ اس سفید چاقو کو واپس لینے کیلئے ہی لکھا ہے۔

مرزا اسد اللہ خان غالب

غالب کا پورا نام مرزا اسد اللہ خان تھا۔ نجم الدولہ اور دبیر الملک خطابات تھے۔ مرزا نوشہ کے لقب سے بھی معروف تھے۔ تخلص پہلے اسد کرتے تھے پھر غالبؔ اختیار کیا۔ ان کے بزرگ مغل بادشاہوں کے آخری دور میں ایران سے ہندوستان آئے۔ والد اور چچا فوج میں ملازم تھے۔ والد کی وفات کے بعد چچا مرزا نصر اللہ بیگ نے ان کی پرورش کی۔ لیکن ان کا انتقال بھی غالبؔ کے بچپن میں ہی ہوا۔ ان وجوہ کی بنا پر ان کی تعلیم باقاعدہ طور نہ ہو سکی۔ غالبؔ کی ننھیال آگرہ میں تھی لڑکپن کا زمانہ آگرہ ہی میں گزارا۔ غالبؔ کی شادی تیرہ برس کی عمر میں دلی کے ایک معزز خاندان میں ہوئی۔ شادی کے بعد غالبؔ دلی گئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ آخری عمر میں اگرچہ اُن کی صحت بہت خراب رہتی تھی لیکن طبیعت کی شوخی برقرار رہی۔

غالبؔ نے ۱۸۱۹ء کے آس پاس اپردو میں خط لکھنا شروع کیے۔ کچھ ہی دنوں میں ان کے طرز تحریر کی دھوم مچ گئی اور ان کے خطوں

کے دو مجموعے ان کی زندگی میں ہی شائع ہوئے۔ اُس وقت سے لے کر آج تک غالبؔ کے خطوط اُردو نثر کے اعلیٰ شاہکاروں کی فہرست

Scanned with CamScanner

میں نمایاں مضامر کے حاصل ہیں۔

مرزا اسداللہ خان غالبؔ

الفاظ	:	معنی
دارائمز و	:	سرور کی جگہ، مسرت کی جگہ۔
بے شبہ	:	بے شک۔
چشمہ آبِ حیات	:	ایک روایتی چشمہ جس کا پانی پینے سے ہمیشہ زندگی ملتی ہے۔ آب پانی کو کہتے ہیں اور حیات زندگی کو آب حیات سے مراد وہ پانی ہے جو زندگی بخش ہو۔
شیریں	:	میٹھا۔
تردد	:	فکر، خوف۔
عبث	:	فضول، بے کار
حاجت	:	ضرورت
بے وسواس	:	بے خوف، بلا تردد
دقیقہ فرد گذاشت	:	کمی واقع نہ ہونا۔
نہ ہونا	:	ہر ممکن کوشش ہونا
مسکن	:	رہنے کی جگہ۔
دیوان	:	غزلوں کی کتاب جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے ردیف وار غزلیں شامل ہوں۔
سیاح	:	سیلانی سیر کرنے والا۔

سوال نمبر۱:۔ غالبؔ کی خطوط نگاری پر پانچ جملے لکھیے:

جواب:۔ غالبؔ نے اردو میں خطوط نگاری کا باضابطہ آغاز کیا۔ اُن کے خطوط کی زبان، صاف، سادہ اور رواں ہے غالبؔ کے خطوط میں اُن کے سوانحی حالات اور اُس دور کی تہذیب و معاشرت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ غالبؔ کا خط پڑھ کر ایسا لگتا ہے گویا دو انسان آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ظرافت کا عنصر غالبؔ کے اکثر خطوط میں پایا جاتا ہے۔

سوال نمبر۲:۔ غالبؔ نے رام پور کی تعریف میں کیا کہا ہے؟

Scanned with CamScanner

جواب:۔رام پور کی تعریف میں غالبؔ نے کہا ہے کہ یہ جگہ سرور اور مسرّت کی جگہ ہے اور جو لطف رام پور میں ہے وہ کہیں اور نہیں ہے۔ یہاں کے دریائے کوسی کے پانی میں آبِ حیات کی سی مٹھاس ہے۔

خاکہ نگاری

خاکہ انگریزی لفظ ''Sketch'' کا اردو ترجمہ ہے۔خاکہ سے مراد ایک ایسی نثری تحریر ہے جس میں کسی شخص کے منفرد اور نمایاں اوصاف کو اس انداز سے بیان کیا جاتا ہے کہ اس شخصیت کی مکمل تصویر آنکھوں کے سامنے آجائے۔اس میں متعلقہ شخصیت کے ظاہری و باطنی خصوصیات میں ایسے نمایاں اوصاف کو بیان کیا جاتا ہے جو اس شخص کی منفرد پہچان کا ذریعہ ہوں۔خاکہ میں متعلقہ شخصیت کے خیالات و افکار، سیرت و کردار اور عادت و اطوار سب کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

خاکہ نگاری کیلئے ضروری ہے کہ وہ خاکہ لکھتے وقت غیر جانب داری سے کام لے اور متعلقہ شخصیت کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اسکی خامیوں کو بھی بیان کرے تاکہ شخصیت کی جیتی جاگتی تصویر قاری کے پیش نظر ہو جائے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ

مرزا فرحت اللہ بیگ دہلی میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کرنے کے بعد انہوں نے ۱۹۰۵ء میں ہندو کالج سے بی اے پاس کیا۔۱۹۰۷ء میں وہ حیدر آباد گئے اور مختلف ملازمتوں پر مامور رہے۔ترقی کرتے کرتے اسٹنٹ ہوم سیکرٹری کے عہدے تک پہنچے۔۱۹۱۹ء میں انہوں نے پہلا مضمون رسالہ افادہ آگرہ میں لکھا اور ۱۹۲۳ء سے وہ باقاعدہ مضامین لکھنے لگے۔انہوں نے تنقیدہ افسانہ، سوانح حیات، معاشرت اور اخلاقیات پر موضوع پر لکھا اور اچھا لکھا لیکن ان کے مزاحیہ مضامین سب سے زیادہ کامیاب ہوئے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضامین ست جلدوں میں مضامینِ فرحت کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔نظموں کا مجموعہ میری شاعری کے نام سب چھپ چکا ہے اس میں بھی مزاحیہ رنگ نمایاں ہے ہنسنے اور ہسانے کا کوئی اصول مقرر نہیں ہوسکتا۔تمام مزاح نگار اپنا انداز رکھتے ہیں۔مرزا فرحت اللہ بیگ کا بھی مخصوص رنگ ہے۔جسے عظمت اللہ بیگ نے ''خوش مذاقی'' کہا ہے۔خوش مذاقی میں قہقہے کے مواقع اور تبسم کے زیادہ ملتے ہیں۔ان کے یہاں ایسا اسباط ملتا ہے جیسے دیرپا کہا جاسکتا ہے۔

نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبان

الفاظ	:	معنی
حلیہ	:	شکل، صورت
لسان	:	درازی، طوالت، لمبائی۔

Scanned with CamScanner

گدرا	:	مضبوط آدمی۔
مُرمرا	:	بھنے ہوئے چاول۔
ٹھگنا	:	لوٹنا، فریب دینا۔
تکملہ	:	تتمہ۔
توند	:	بڑا پیٹ۔
پلّو	:	دامن، آنچل۔
مقیش	:	سونے چاندی کے تار، زری کپڑا۔
سایہ فگن	:	سایہ ڈالنے والا۔
نمودار	:	ظاہر، عیاں۔
شوخی	:	چاہلا پن، ظرافت۔
محیط	:	گھیرنے والا، گھیرا۔
اصطلاح	:	کسی علمی یا فنی گروہ کا کسی لفظ کے عام معنوں کے علاوہ کوئی خاص مفہوم مقرر کر لینا۔
متانت	:	سنجیدگی۔
چھدری	:	چھید دار۔
وضع	:	بناوٹ، خُلیہ۔
توکل	:	بھروسہ۔
کلام مجید	:	قرآن مجید۔
غریق رحمت	:	خدا تعالیٰ کی رحمت میں ڈوبا ہوا، مغفور، مرحوم۔
ہجوم	:	بھیڑ۔
قلیہ	:	ریزہ زیرہ کیا ہوا، کوٹا ہوا گوشت۔
لگدی	:	کسی گیلی پسی ہوئی چیز کی گولی، ٹکیہ۔
ٹرخانا	:	ٹالنا، بہانہ بنانا۔
ٹانگ لینا	:	پیچھے پڑنا۔
کالنقش فی الحجر	:	پتھر پر منقش کیا ہوا، مجازاً اچھی طرح یاد۔

سبع معلقات	:	آویزاں کیے ہوئے سات قصیدے یہ قصیدے خانہ کعبہ پر آویزاں گئے تھے۔

Scanned with CamScanner

عمرو بن کلثوم	:	قبیلہ تغلب کا سردار، عرب کا مشہور شاعر۔
ردّا (ردہ، ردّہ)	:	انیٹ پر انیٹ رکھ کر چنائی کرنا۔
ٹھیکرا	:	مٹی کے برتن کا ٹکڑا۔
بچکیاں	:	مختلف رنگوں سے رنگا ہوا۔
جت	:	دلیل، بحث۔
ریویو (انگریزی)	:	تبصرہ

سوال نمبر۱:۔ نذیر احمد کی شخصیت کے دلچسپ پہلوؤں کو اپنے الفاظ میں لکھئے:

جواب: مولوی نذیر احمد نے اپنی غربت کا ذکر نہانیت صاف گوئی سے کیا ہے۔ وہ اپنے بارے میں سچ کہنے سے بالکل نہیں کترائے ہیں۔ انہوں نے اپنے چھوٹے قد کا فائدہ اٹھا کر کمرے میں گھسنے کی کامیاب کوشش کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی خوبیوں اور صلاحتیوں کا ذکر بھی خود کیا ہے۔

سوال نمبر۲:۔ نذیر احمد نے اپنے بچپن کے کن واقعات کو لطف لے کر بیان کیا ہے؟ بتائے؟

جواب:۔ نذیر احمد نے اپنے بچپن مین غربت اور لاچاری کی وجہ سے لوگوں کے گھروں سے کھانا جمع کرتے تھے۔ ان گھروں میں ڈپٹی عبدالحامد کی بیٹی اُن سے زبردستی مسالہ پسواتی تھی۔

نذیر احمد ایک دن دہلی کالج گئے۔ کالج میں بچوں کے امتحانات لیے جا رہے تھے اور کافی بھیڑ تھی۔ نذیر احمد اپنے چھوٹے قد کا فائدہ اٹھا کر کمرے تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ نذیر احمد کا پاؤں پھسلنے کی وجہ سے ان کی ملاقات کالج کے پرنسپل سے ہوئی۔ اس کے بعد نذیر احمد کا امتحان لیا جاتا ہے اور وہ کالج میں داخلہ لینے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

سوال نمبر۳:۔ نذیر احمد کے ساتھ پڑھنے والوں میں کون کون سے ادیب شامل تھے؟

جواب:۔ نذیر احمد کے ساتھ پڑھنے والوں میں سرسید احمد خان، منشی ذکا اللہ اور پیارے لال شامل تھے۔

سوال نمبر۴:۔ نذیر احمد نے آج کل کی تعلیم کی کون کون سی خامیاں بتائی ہیں؟

جواب:۔ نذیر احمد کے مطابق آج کل کی تعلیم میں نصاب میں کئی مضامین شامل ہوتے ہیں۔ اسلئے ان پر عبور حاصل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ پہلے زمانے میں ایک ہی مضمون پڑھایا جاتا تھا اور طالب علم کو اس میں کامل بنایا جاتا تھا۔ اسکے علاوہ آج کل جو اساتذہ تقرر کئے جاتے ہیں ان کا معیار پست ہوتا ہے۔

Scanned with CamScanner

سوال نمبر۵:۔اس سبق میں جہاں مزاحیہ انداز اختیار کیا گیا، اس کی نشاندہی کیجئے؟

جواب:۔نذیر احمد جب بچپن میں کھانا جمع کرنے کی غرض سے گھر گھر جاتے تھے تو ان کو ڈپٹی عبدالحامد کے گھر بھی جانا پڑتا تھا۔وہاں اُن کی بیٹی نذیر احمد سے مسالے پسواتی تھی اور جب نذیر احمد تھک کر ہاتھ روک لیتے تھے تو وہ لڑکی اسکی انگلیوں پر بٹہ مارتی تھی۔بعد میں یہ لڑکی نذیر احمد کی شریک حیات بن گئی۔

غزل

غزل کے لغوی معنی ہیں، محبوب سے باتیں کرنا، عورتوں سے باتیں کرنا یا عورتوں کی باتیں کرنا۔کیونکہ اردو شاعری ابتداء میں غزل میں صرف عشقیہ باتوں کا بیان ہوتا تھا اسلئے اس صنف کو یہ نام دیا گیا۔لیکن تغیر زمانہ کے ساتھ ساتھ غزل میں ہر قسم کے مضامین داخل ہوتے گئے اور اس میں ہر قسم کے مضامین بیان کرنے کی گنجائش پیدا ہوگئی۔

اصطلاح شعر میں غزل کی اس صنف سخن کو کہتے ہیں جس کے پہلے شعر کے دونوں مصرے آپس میں ہم قافیہ، ہم ردیف اور ہم بحر ہوتے ہیں۔اس شعر کو مطلع کہتے ہیں۔بعد میں آنے والے تمام اشعار مطلع کے قافیہ، ردیف اور وزن پر کہے جاتے ہیں۔اگر مطلع کے بعد کوئی ایسا شعر آئے جس کے دونوں مصرے آپس میں ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوں تو اس حسن مطلع کہتے ہیں۔غزل کے آخری شعر کو مقطع کہتے ہیں اس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔معنوی لحاظ سے غزل کے ہر شعر کا معنی جداگانا ہوتا ہے لیکن ایسی بھی غزلیں کہی جاتی ہیں جن میں موضوع کی وحدت پائی جاتی ہے ایسی غزل کو غزل مسلسل کہتے ہیں۔جس غزل میں ردیف نہ ہو اور صرف قافیہ ہو اُس کو غیر مردف غزل کہتے ہیں۔غزل کے سب سے اچھے شعر کو شاہ بیت کہتے ہیں۔

رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری

فراق گورکھپوری کے تخلص سے مشہور شاعر رگوپتی سہارئے اُردو شاعری مین ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔۱۸۹۶ء اُن کی پیدائش گورکھپور میں ہوئی۔گھر میں شاعرانہ ماحول کی وجہ سے شاعری سے بچپن سے لگاؤ ہوگیا۔اور تیرہ برس کی عمر میں شعر کہنے لگے۔سیاست میں دلچسپی کے باعث جیل بھی چلے گئے۔ایم۔اے انگریزی میں کیا اور الہٰ آباد یونیورسٹی میں انگریزی پڑھانے لگے۔اور یہیں سے سبکدوش بھی ہوگئے۔شعری مجموعوں کے علاوہ تاثراتی تنقید پر بھی اُن کے مجموعے شایع ہوچکے ہیں۔انہیں ''ساہتیہ اکادمی ایوارڈ'' ''پدم بھوشن'' اور ''گیان پیٹھ'' جیسے اعزازات سے نوازا گیا ہے۔۱۹۸۲ء میں اُن کا انتقال ہوا۔

فراق غزل کے شاعر ہیں۔تغزل، لفاظت اور دلکشی اُن کی شاعری کا اہم وصف ہے۔اُن کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے غزل کی روایت کو قائم رکھتے ہوئے اُسے جدید دور سے ہم آہنگ کردیا ہے۔اُن کی شاعری کے بنیادی موضوعات حُسن وعشق، انسانی تعلقات کی

Scanned with CamScanner

دھوپ چھاؤں، فطرت اور جمالیات ہیں۔ شاعری میں فراقؔ کو اُن کے منفرد لب و لہجے سے پہچانا جاتا ہے۔ فراقؔ حُسن و جمال کے شاعر ہیں۔ اور وہ شاعرِ ہند کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

غزل نمبر ا تشریح

(ا) فراقؔ گورکھپوری اس شعر میں سامراجی نظام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کی غلامی کے دن ختم ہونے والے ہیں۔ بے بسی اور تکلیف کی زندگی دم توڑنے والی ہے۔ کیونکہ آزادی کی صبح نظر آ گئی ہے۔ اب ملک آزاد ہوگا اور لوگوں کے دُکھ درد بھی کم ہونگے۔

(۲) فراقؔ گورکھپوری اس شعر میں کہتے ہیں کہ سچائی اور حق کا راستہ جو اپناتا ہے اُس کو تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آزادی کی جدوجہد میں لوگ گھر سے نکلے ہیں انہیں بھی بہت سی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور ہر کوئی اپس کا ساتھ چھوڑ دے گا۔ لیکن بہادروں سے کہو کہ اُن کی راہ گزر آئی ہے۔ کیونکہ آزادی کے دیوانے کسی چیز سے گھبرانے والے نہیں ہیں۔

(۳) شاعر کہتا ہے کہ فِضا بہار کی صبح کی طرح خوشگوار دکھائی دیتی تھی۔ ہر چیز مسکرا رہی تھی لیکن جونہی محبوب کی گلی میں قدم رکھا تو فضا میں گھٹن سی محسوس ہونے لگی اور آنکھوں سے آنسوں چھلکنے لگے۔ یعنی آزادی بہت قریب نظر آئی تھی لیکن وطن کی حالت دیکھ کر احساس ہوا ابھی وہ وقت بہت دور ہے۔

(۴) شاعر کہتا ہے کہ دُنیا کی مستی میں مجو ہو کر ہمیں لگتا ہے کہ اصل زندگی یہی ہے اور خوشی کی محفل میں بیٹھ کر ہمیں لگتا ہے کہ زندگی کا مقصد یہی ہے۔ لیکن جو آزادی کے دیوانے ہیں اُنہیں اس خوشی میں بھی غم نظر آتا ہے۔ آزادی کے امیدوار آزادی کو ہی اصل زندگی اور اصل خوشی تصور کرتے ہیں۔

(۵) شاعر کہتا ہے کہ انسان دوستی، خلوص اور ہمدردی ہر ایک انسان کے بس کی بات نہیں یہ فرض صرف وہ لوگ ادا کر سکتے ہیں جو اللہ کے سچے ساشق ہوں اور جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہو۔

غزل نمبر ۲ تشریح

(ا) فراقؔ گورکھپوری لکھتے ہیں کہ عشق و محبت کی وہ دیوانگی اب مجھ میں نہیں ہے۔ محبوب سے ملنے اور محبوب کو پانے کی وہ تمنا بھی اب دل میں نہیں جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ لیکن مجھے خود پہ بروسہ نہیں ہے۔ اگر چہ میں نے محبت ترک کی ہے لیکن میں کبھی بھی پھر سے دیوانگی کا شکار ہو سکتا ہوں۔

(۲) فراقؔ اس شعر میں کہتے ہیں کہ محبوب کی محفل میں میری کو حیثیت ہی نہیں ہے۔ میرا شمار نہ محبوب کے اپنوں میں ہے اور نہ محبوب کے

Scanned with CamScanner

بیگانوں میں، لیکن اس کے باوجود بھی میرا دل اُس محفل سے اُٹھنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

(۳) شاعر محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے میرے محبوب یہ سچ ہے کہ تری میہربانی کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ تجھے مجھ سے محبت ہے۔ لیکن تمہاری ناراضگی کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے۔ یونہی کسی غیر سے کوئی ناراض نہیں ہوتا۔ یعنی کوئی نہ کوئی رشتہ ہمارے درمیان ضرور ہے۔

(۴) فراقؔ اس شعر میں محبوب سے کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب یہ سچ ہے کہ ایک عرصے سے تمہاری یاد میرے دل پہ دستک نہیں دی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں تمہیں بھول گیا ہوں۔ تمہاری یاد میرے سینے میں برقرار ہے۔

(۵) فراقؔ نے اس شعر میں صنعتِ تعلّی سے کام لیتے ہوئے اپنی تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ دوستوں اور رشتہ داروں کی اس بھیڑ کے باوجود بھی محفل مین ایک اُداسی اور کاموشی چھائی ہوئی ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس محفل میں فراقؔ غزل سرا نہیں ہے۔ اگر میں اپنا کلام سُناؤں تو محفل میں خوشی چھا جائے گی۔

غزل نمبر ۳ تشریح

(۱) فراقؔ غزل کے مطلع مین کہتے ہیں کہ میں نے اشاروں میں اپنے محبوب سے جو بات کی ہے وہ بات میری زندگی کی داستان بن گئی ہے۔ یعنی اشاروں مین ہمارے درمیان وہ ساری باتیں ہوگئیں جن کو ہم زبان سے کبھی نہیں کہی پاتے۔

(۲) شاعر لکھتا ہے کہ پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ موت کسے کہتے ہیں۔ میں موت سے باخبر نہیں تھا لیکن موت اب میرہ زندگی بن چکی ہے یعنی میری زندگی موت سے بدتر ہے۔ مین ایسی تکلیف دہ زندگی بسر کر رہا ہوں جو موت کی تلخی سے بھی سخت ہے۔

(۳) فراقؔ نے اس شعر مین عصرِ حاضر کے انسان کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ موجود دور کے انسان کی زندگی مصیبتوں اور اذیتوں سے بھری ہوئی ہے۔ جس طرح بیمار انسان پوری رات آنکھوں میں گزارتا ہے کہ کب صبح ہوا اور اس کے درد کو راحت ملے۔ بالکل موجودہ دور کا انسان بھی ایسی ہی تکلیف سے گزر رہا ہے۔

(۴) فراقؔ اس شعر میں محبوب سے کہتا ہے کہ اے میرے محبوب ترے ہاتھوں میں ایسا جادو ہے کہ تو نے جس چیز پر ہاتھ رکھ دیا اُس کی قسمت بدل گئی۔ غمگین اور بے قرار دل کو تری مہربانی سے راحت اور سکون ملتا ہے۔ میں بھی تمہاری مہربانی کا طلب گار ہوں۔

(۵) فراقؔ اس شعر میں رب کی قدرت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب میں اپنے وجود پر نظر دوڑاتا ہوں تو رب کی صفات کا اندازہ ہوتا ہے۔ رب کی صفات کا ہی کرشمہ ہے جس کی وجہ سے میری تخلیق ہوئی ہے۔

سوالات:

Scanned with CamScanner

سوال:۔غزل نمبر ایک کے دوسرے شعر میں ''مسافروں سے کہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سے مُراد کون سے مسافر ہیں؟

جواب:۔غزل نمبر ایک کے دوسرے شعر میں مسافروں سے کہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سے مُراد راہ محبت یا محبوب کی راہ چلنے والے (ساشق) ہے۔

سوال:۔دوسری غزل کے مقطع میں احباب کا مجمع ہونے کے باوجود خاموشی کی کیا وجہ بیان کی گئی ہے؟

جواب:۔دوسری غزل کے مقطع میں احباب کا مجمع ہونے کے باوجود خاموشی کی وجہ یہ بتائی گئی ہے اس محفل میں فراقؔ سخن آرا نہیں ہے۔

سوال:۔اشاروں میں ہونے والی بات کا شرحِ حیات ہوجانے سے کیا مُراد ہے؟

جواب:۔اشاروں میں ہونے والی بات کا شرحِ حیات ہوجانے سے زندگی کا اصول یا عادت مُراد ہے۔

میر غلام رسول نازکی

میر غلام رسول نازکی کی پیدائش ۱۹۱۰ء میں سرینگر میں ہوئی۔اُن کا بچپن بانڈی پورہ میں گزرا۔ابتدائی تعلیم گھر سے عربی، فارسی میں حاصل کی پھر سرینگر آکر مڈل پاس اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔والد کے انتقال کے بعد ملازمت اختیار کرلی لیکن اپنا تعلیمی سلسلہ بھی جاری رکھا۔نازکی صاحب رسالہ ''تعلیم جدید'' کے مدیر بھی رہے جس کی وجہ سے ادبی حلقوں میں اُن کو شہرت عطا ہوئی۔نازکی صاحب مختلف عہدوں پر فائز رہنے کے بعد آخر کار ریڈیو کشمیر جموں اور پھر ریڈیو کشمیر سرینگر سے وابستہ ہوگئے اور یہیں سے سبکدوش بھی ہوگئے۔۱۹۹۸ء کو نازکی کی صاحب کا انتقال ہوگیا۔

نازکی صاحب کو شاعری کا شوق ورثے میں ملا تھا۔ابتدا میں وہ قدیم شعرا کی تقلید میں غزلیں لکھتے رہے۔انہوں نے تقریباً ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔انہوں نے اُردو کے علاوہ کشمیری میں بھی شاعری کی ہے۔انہوں نے اپنی شاعری میں حُسن و عشق، غمِ روزگار، دُنیا کی بے ثباتی وغیرہ جیسے موضوعات کو برتا ہے۔وہ جدید دور میں فرد اور معاشرے کے مسائل سے آگاہ تھے۔غم اُن کی شاعری کا اہم موضوع ہے۔جسے وہ خُدا اور بندے کے درمیان رشتے کی وجہ سمجھتے ہیں۔انہوں نے کشمیر کے دلفریب مناظر کی عکاسی خوبصورت الفاظ میں کی ہے۔

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ نازکی صاحب کشمیر اور کشمیر کی روح کے شاعر ہیں۔

غزل نمبر ا تشریح

(۱) شاعر اس شعر میں کہتے ہیں کہ میرے محبوب کے ہونٹوں پہ آج تبسم کا سیلاب ہے۔یعنی میرا محبوب بے انتہا مسکرا رہا ہے اور اُس کی ہنسی

دیکھ مجھے لگتا ہے جیسے روشنی کے دریا میں لہریں اُٹھ رہی ہیں۔یعنی محبوب کے ہونٹوں کی نہ تھمنے والی مسکراہٹ مجھے خوشی کا احساس دلاتی ہے۔

(۲) شاعر اپنی شندگی کے بارے میں کہتا ہے کہ ابھی میری زندگی خوشیوں سے بھری ہوئی ہے۔میرا ہر پل مسرت سے لبریز ہے لیکن میری

Scanned with CamScanner

زندگی کا انجام کیا ہوگا میں اس بات سے انجان ہوں۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ ابھی میری زندگی اچھی گزر رہی ہے۔

(۳) شاعر اس شعر میں لکھتے ہیں کہ میرا دل مصیبتوں سے گھبرا کر پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے۔ میں ہر بلا کا بہادری سے مقابلہ کر رہا ہوں۔ جس طرح ایک چٹان لہروں کا مقابلہ کرتی ہے بالکل اُسی طرح میں غموں اور پریشانیوں سے مقابلہ کر رہا ہوں۔

(۴) شاعر کہتا ہے کہ محبت کی دُنیا عجیب دُنیا ہے اور اس دُنیا کی ہر چیز انوکھی ہے۔ یہ ایسی دُنیا ہے جہاں اِشاروں میں ہی سب حق ادا کئے جاتے ہیں۔ محبت کرنے والے بنا کوئی بات کہے ہی مطلب سمجھ جاتے ہیں۔

(۵) نازکی صاحب غزل کے مقطع میں کہتے ہیں کہ وادیٔ کشمیر جس کو دُنیا میں جنتِ بے نظیر کہا جاتا ہے۔ جب مجھے اس دُنیاوی جنت میں چین نہیں مل سکا تو پھر میں اُس حقیقی جنت پر کیا یقین کروں کہ وہاں مجھے راحت ملے گی۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ واعظ کا وہم ہے کہ جنت میں ہر طرح عیش و آرام ہے۔

غزل نمبر ۲ تشریح

(۱) غزل کے مطلع میں نازکی صاحب اپنے محبوب کی خوبصورتی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب میں اپنے محبوب کو دیکھا تو میری آنکھوں میں ایران کے شہر شیراز کی شادابی اور وادیٔ کشمیر کی خوبصورتی کے منظر سمٹ کر آ گئے۔ یعنی جیسے یہ دو شہر دُنیا بھر میں اپنی خوبصورتی کہ وجہ سے مشہور ہیں ویسے ہی میرا محبوب بھی اپنی خوبصورتی کی بدولت مشہور ہے۔

(۲) شاعر اس شعر میں اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب میرے دل میں بار بار درد کی لہریں اُٹھتی ہیں۔ میں ہر وقت پریشان رہتا ہوں۔ تو میرے پاس آ کے مجھ سے کوئی ایسی بات کہی دے جس سے مرے درد کو آرام ملے۔ تو میرے درد کا مسیحا بنکے آجا اور مجھے اس غم سے نجات دے۔

(۳) شاعر اس شعر مین اپنی دیوانگی کی حد کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دیوانگی کے عالم میں مجھے اپنی رُسوائی میں بھی مزہ آتا ہے اور مجھ میں اس قدر انکساری آ گئی ہے کہ میں جنوں کی حالت میں ہر ایک چیز کے سامنے اپنا سر جُھکاتا ہوں۔

(۴) شاعر اس شعر میں اپنی ندامت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عشقِ مجازی میں رُسوائی اور شرمندگی کے سوا اور کچھ نہیں ملا۔ اب میں اپنے آپ پر اس قدر نادم ہوں کہ میں اپنی زندگی تنہائی میں بسر کرنا چاہتا ہوں۔

(۵) غزل کے مقطع میں شاعر لکھتے ہیں کہ محبت کے باغ کا میں ایک سوکھا ہوا پتا ہوں اور مین منتظر ہوں کہ کب میرا محبوب مجھ پر مہربان ہو کر مجھ پر عنایت کی نظر کرے گا۔ تا کہ میں پھر سے جی اٹھوں۔

سوالات:

Scanned with CamScanner

سوال:۔سیلابِ تبسم کی وضاحت کیجئے؟

جواب:۔سیلابِ تبسم سے شاعر کی مُراد یہ ہیں کہ اُس کے محبوب کے ہونٹوں پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی ہے۔یعنی شاعر کہتا ہے کہ اس کا محبوب ہر حال میں مسکراتا رہتا ہیں۔

سوال:۔شاعر کی نظر میں دنیا کے محبت کی کون سی چیز نرالی ہے؟

جواب:۔شاعر کی نظر میں دنیا کی محبت کی سب سے نرالی چیز یہ ہے کہ اس دنیا میں خاموش رہ کر دل کی بات ادا کی جاتی ہے اور بعض اوقات گفتگو کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔

سوال:۔گوشۂ تنہائی سے کیا مُراد ہے؟

جواب:۔گوشۂ تنہائی سے مُراد تنہائی مین رہنا اس دنیا کے دکھ درد و پریشانیوں سے دور۔

سوال:۔لذت رسوائی اور رسوائے محبت کی وضاحت کیجئے۔

جواب:۔لذتِ رسوائی سے شاعر کی مراد ہے کہ اس دنیا میں انسان محبت میں جب رسوا ہو جاتا ہے تو اس رسوائی میں بھی اُسے لطف نظر آتا ہے جب کہ رسوائے محبت سے مراد محبت کو رسوا کرنا ہیں۔

میر غلام رسول نازکی

الفاظ		معنیٰ
تلاطم	:	ہچل، تھپیڑے
لے	:	آہنگ۔انداز
آلام	:	الم کی جمع، مصیبتیں۔
مصائب	:	مصیبت کی جمع۔
تصادم	:	ٹکراؤ۔
تکلم	:	گفتگو، بات کرنا۔
جنت ارضی	:	زمینی جنت۔
خلدِ بریں	:	برتر جنت، مراد جنت ہے۔
شوخ	:	شریر، مراد محبوب ہے۔
شاداب	:	تروتازہ، سیراب۔

Scanned with CamScanner

رعنائی : زیبائی، اچھائی۔

گوشہ : کونہ۔

سایہ فگن ہونا : سایہ ڈالنا، مدد کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

سوال نمبر۱:۔ سیلاب تبسم کی وضاحت کیجئے؟

جواب:۔ سیلاب تبسم کے معنی ہیں، مسکراہٹ کی فراوانی یعنی محبوب کی مسکراہٹ اتنی فراواں ہے کہ ہر چیز کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی ہے۔

سوال نمبر۲:۔ شاعر کی نظر میں دنیائے محبت کی کونسی چیز نرالی ہے؟

جواب:۔ شاعر کی نظر میں دنیائے محبت کی ہر چیز نرالی ہے لیکن خاص طور پر یہ بات نرالی ہے کہ عاشق اور معشوق کے درمیاں اشارہ وہ اشاروں میں ہی بات چیت ہوتی ہے۔

سوال نمبر۳:۔ گوشہ تنہائی سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ غزل میں گوشہ تنہائی سے مراد محبوب کا آنچل ہے

سوال نمبر۴:۔ ''لذت رسوائی'' اور ''رسوائے محبت'' کی وضاحت کیجئے؟

جواب:۔ لذت رسوائی سے یہ مراد ہے کہ عاشق محبوب کے عشق میں رسوا ہونے میں ہی لذت یا لطف محسوس کرتا ہے۔

رسوائے محبت سے یہ مراد ہے کہ محبوب عاشق کی قدر نہیں کر دیا ہے اور عاشق رسوائی اور بدنامی کا شکار ہوتا ہے

فیض احمد فیض

فیض احمد فیض ۱۹۱۱ء میں سیالکوٹ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم چرچ مشن اسکول سیالکوٹ میں حاصل کی۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے لاہور چلے گئے۔ لاہور سے انھوں نے عربی اور انگریزی دونوں مضامین میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد امرتسر کے ایم۔اے، او کالج میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ دوسری جنگ عظیم کت دوران فیض نے کالج کی ملازمت چھوڑ کر فوج میں کیپٹن کی حیثیت ملازمت اختیار کی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد انھوں نے فوج کی نوکری ترک کی اور ''پاکستان ٹائمز'' کے ایڈیٹر ہو گئے۔ لیکن تین برس کے اندر اندر پاکستانی فوج کے چند افسروں کے ہمراہ نہیں راولپنڈی سازش کیس میں گرفتار کر لیا گیا اور چار برس تک قید رہے۔ فیض کو سویت یونین کا سب سے بڑا

Scanned with CamScanner

اعزاز لینن امن انعام ملا ہے۔ آپ ۱۹۸۴ء میں انتقال کر گئے۔

فیض غزل گوئی :۔ شاعری میں فیض کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے کلاسیکی شاعری سے استفادہ کرتے ہوئے غزل کو نئے آہنگ سے آشنا کیا۔ تغزل اور انقلابیت اُن کی غزلوں کی خصوصیت ہے۔ انہوں نے انقلابی فکر اور عاشقانہ لہجے کو ایک دوسرے میں اس طرح ضم کیا کہ شاعری میں ایک نئی جمالیاتی شان پیدا ہوگئی۔ انہوں نے رومانیت کے پردے میں انقلابی شاعری کی ہے۔ اُن کی غزلوں میں رومان اور حقیقت کا سنگم پایا جاتا ہے۔ وہ ایک دردمند دل رکھتے تھے۔ جسکا اظہار اُن کی شاعری میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ فیض کو سوویت یونین کے سب سے بڑے اعزاز لینن امن اعزاز سے نوازا گیا ہے۔

غزل نمبر 1 تشریح

(1) غزل کے مطلع میں شاعر اپنے محبوب کی آمد کا انتظار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اے میرے محبوب چمن کا نظام تمہاری وجہ سے رُکا ہوا ہے۔ اگر تم آجاتے تو نئی بہار کی ہوا پھولوں میں رنگ بھر کے آگے بڑھ جاتی اور گلشن میں رنگ برنگے پھول کھل اُٹھتے۔ یعنی میری بہار تم سے ہے۔ جب تک تم نہیں آتے تب تک بہار میرے لئے خزاں سے بدتر ہے۔

(2) شاعر اس شعر میں قید خانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آج جیل میں بہت اُداسی ہے اور شاعر چاہتا ہے کہ صبا کہیں سے کوئی ایسا پیغام لائے کہ جس سے دل کے بہلنے کی کوئی صورت نکلے۔ اس شعر میں صنعت تجسیم کا استعمال کرتے ہوئے صبا کو جاندار کے روپ میں پیش کیا ہے اور شاعر چاہتا ہے کہ صبا وطن سے پیغام لائے جس سے جیل خانے فضا خوشگوار ہو جائے۔

(3) شاعر لکھتا ہے کہ غلامی کی زندگی جو ہم بسر کر رہے ہیں کبھی تو اس کا خاتمہ ہو جائے اور ہم ایک آزاد صبح میں اپنی آنکھیں کھولیں۔ ہم اپنے دن کا آغاز مسکراتے ہوئے کریں اور ہماری شام ہر غم سے آزاد ہو۔

(4) شاعر کہتا ہے کہ دُنیا میں سب سے بڑا رشتہ درد کا رشتہ ہے اگرچہ ہم وطن سے دور ہیں جیل میں ہیں۔ لیکن جن کے دلوں میں وطن کا درد ہے جو اپنی قوم سے درد کا رشتہ رکھتے ہیں۔ وہ وطن کے نام پر مر مٹنے کے لئے ہر وقت تیار رہیں گے۔ یعنی وطن کا نام جب بھی لیا جائے گا۔ جب بھی وطن کو ضرورت ہوگی تو غمگسار دوڑے چلے آئیں گے۔

(5) شاعر لکھتا ہے کہ جُدائی کی رات یعنی غلامی کے دور میں ہم نے جو کچھ سہا اور برداشت کیا اُس کا ہمیں کوئی غم نہیں بلکہ ہم خوش ہیں کہ ہماری قربانیاں نتیجہ خیز ثابت ہوئیں اور ہمارے آنسوں رائگاں نہیں ہوئے یعنی آزادی ہم نے حاصل کی۔

Scanned with CamScanner

(6) شاعر لکھتا ہے کہ محبوب کی محفل میں جب میری دیوانگی کے بارے میں مجھ سے پوچھا گیا اور جب وہاں میرا نام پکارا گیا۔ تو میں اپنے گریباں کے چیتھڑے لے کر اپنے محبوب کے سامنے حاضر ہوا۔ کیونکہ دیوانگی کے عالم میں، میں نے اپنے گریباں کو تار تار کیا ہے۔ اس لئے میری دیوانگی کا سب سے بڑا ثبوت میرے گریباں کے ٹکڑے ہیں۔

(7) فیض غزل کے مقطع میں لکھتے ہیں کہ عشق کی راہ میں مجھے کوئی مقام پسند ہی نہیں آیا۔ عشق کے بعد دُنیا کی کوئی چیز میرے دل کو اچھی نہیں لگی۔ اسی لئے جب میں محبوب کے کوچے سے نکلا تو تختہ دار کی طرف چلا گیا۔ یعنی محبوب سے محبت کا جنوں تھا پھر وطن سے محبت کا جنون سوار ہو گیا۔

غزل نمبر 2 تشریح

(1) شاعر اس شعر میں آزادی کی آمد کا انتظار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم نے سُنا ہے کہ غلامی کا اندھیرا ختم ہو جائے گا اور آزادی کی صبح نمودار ہو گی۔ پھر ہمارے دُکھ درد کم ہو جائیں گے مگر ہمیں اتنا انتظار کیوں کرنا پڑتا ہے۔ آخر کب تک ہمیں اور دُکھ برداشت کرنے ہونگے۔

(2) شاعر کہتے ہیں کہ آخر کب ہمارے بے جان چہروں پر مسکراہٹ پھیلے گی اور کب ہمارے آنسوؤں کی قیمت ادا کر دی جائے گی۔ اور وہ دن کب آئے گا جب ہماری قربانیوں کا بدلہ ہمیں آزادی کی صورت میں دیا جائے گا۔

(3) شاعر لکھتے ہیں کہ کس دن پھولوں کا موسم ہمیں حقیقی خوشی دے گا۔ کب ہم ایسی صبح اور ایسی شام کا نظارہ کریں گے جو غموں اور پریشانیوں سے آزاد ہو۔ یعنی آزادی کی خوشی ہمیں کب حاصل ہو گی۔

(4) شاعر لکھتے ہیں کہ اب اس شہر میں عاشقوں کا زندگی بسر کرنا دُشوار ہو گیا ہے کیونکہ اس شہر میں نہ واعظ ہے۔ نہ پرہیزگار ہے نہ کوئی نصیحت کرنے والا ہے اور نہ ہی کوئی قاتل ہے۔ لہذا ان لوگوں کے بغیر عاشق کی زندگی بے معنی ہے۔ انہی لوگوں کی تکرار سے عاشق کا جنون بڑھ جاتا ہے۔

(5) شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر لکھتا ہے کہ اے میرے محبوب میں آخر کب تک ترا انتظار کرتا رہوں گا۔ تیرا ملنا میرے لئے ایک قیامت ہے اب تو یہ بتا کہ وہ قیامت کب آئے گی۔ تا کہ میں تجھ سے مل سکوں۔ یا اگر تو قیامت کے روز ہی میرے سامنے آئے گا۔ تو یہ بتا

Scanned with CamScanner

کہ قیامت کب ہوگی۔ تجھے تو پھر ضرور پتہ ہوگا۔

بقولِ شاعر:

؎ جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے

کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

سوالات:

سوال:۔ فیض کی شاعری کا موضوع کیا ہے؟

جواب:۔ فیض کی شاعری کا موضوع انقلابیت ہے۔ لیکن انہوں نے انقلابیت کی خاطر تغزل کو اور تغزل کی خاطر انقلابیت کو کبھی قربان نہیں کیا۔

سوال:۔ فیض کی ان غزلوں میں فیض اور چمن یارات اور سحر کے الفاظ ان معنوں میں استعمال نہیں ہوتے ہیں جن معنوں میں یہ عام طور اُردو غزل میں استعمال ہوتے رہے ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ فرق کیا ہے؟

جواب:۔ فیض کی غزلوں میں محبوب کا وہ تصور نہیں ملتا جو روایتی شاعری میں عام طور پر پایا جاتا ہے ان کی شاعری میں محبوب کا لفظ عموماً آزادی امن وسکون اور انسانیت سے جُڑا ہوا ہے۔

سوال:۔ بادِ نو بہار، کنج لب، شب عبراں، قامت جانانہ تراکیب میں لفظوں کو اضافت سے ملایا جائے تو ترکیب بن جاتی ہے اس طرح کی فارسی تراکیب کا استعمال اُردو شاعری میں عام رہا ہے آپ مزید پانچ اور تراکیب لکھئے۔

جواب:۔ (1) بادصبا (2) وادی گلشن

(3) گلزارِ چمن

(4) دفترِ جنوں

(5) حضورِ یار

(6) کوئے یار

(7) سوئے دار

Scanned with CamScanner

تنہا انصاری

تنہا انصاریؔ کا اصلی نام حسین علی انصاری تھا اور تنہا تخلص۔ آپ ۱۹۱۴ء کو دلنہ بارہمولہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دلنہ میں حاصل کی گھر کی مالی دشواریوں کے پیش نظر انیں مڈل امتحان پاس کرنے کے بعد ہی ملازمت کرنا پڑی آپ پہلے محکمہ باہمی امداد میں محرر کی حثیت سے ملازم ہوگئے لیکن بعد میں وہ محکمہ تعلیم میں چلے آئے ملازمت کے دوران ہی انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک، ایف، اے، منشی فاصل کے امتحانات پاس کئے۔ اسکے بعد آپ نے جموں وکشمیر یونیورسٹی سے بی، اے، اور بی، ایڈ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ان کی قابلیت اور بہترین کارکردگی کے پیش نظر آپ کا تقرر سرینگر ٹیچرس اسکول میں اردو زبان کے استاد کی حیثیت سے ہوا۔ اسکے بعد آپ ناظم تعلیمات کے لٹریری اسٹنٹ مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۰ء حکومت ہند نے انھیں سال کے بہترین استاد کا قومی ایواڈ دیا۔ آخر ۱۹۶۹ء میں انتقال کر گئے۔

تشریح تنہا انصاری غزل نمبر 1

(1) غزل کے مطلع میں تنہا انصاریؔ محبوب کی جُدائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محبوب کی جُدائی میں میری ہر صبح پر شامِ غم کا سا اندھیرا چھا جاتا ہے۔ یعنی محبوب کی جُدائی میں میرا ہر پل رنج وغم میں بسر ہو رہا ہے اور مجھے کسی بھی طرح خوشی میسر نہیں ہوتی۔

Scanned with CamScanner

(2) شاعر اس شعر میں کہتے ہیں کہ میرے دل کا غم اور درد کسی بھی طرح کم نہیں ہوتا ہے۔ میں اپنے دل کو جتنا بھی سنبھالنے کی کوشش کرتا ہوں یہ اُتنا ہی بے قابو ہوتا ہے۔ میں اپنے درد کا جتنا بھی علاج کرتا ہوں درد اُتنا ہی بڑھتا جاتا ہے۔ یعنی غم بُھلانے کی میں جتنی بھی کوشش کرتا ہوں غم اُتنی ہی شدت پکڑتا ہے۔

(3) شاعر اس شعر میں اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر لکھتے ہیں کہ اے میرے محبوب تم مجھ سے جُدا ہو کر مجھ سے بہت دور جا چکے ہو۔ اب ہمارا ملنا ایک ناممکن سی بات ہے لیکن اس کے باوجود بھی میں تمہیں بُھلا نہیں پاتا ہوں تمہارا خیال آ کر بار بار مجھے تڑپاتا ہے۔

(4) شاعر اس شعر میں در پردہ اپنے محبوب کی خوبصورتی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ آسمان پر چاند شرما رہا ہے اور بادلوں میں چُھپنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شاید میرے محبوب نے اپنے چہرے کو بے نقاب کر لیا ہوگا اور چاند میرے محبوب کے خوبصورت چہرے کو دیکھنے کے بعد شرما رہا ہے۔ یعنی میرا محبوب چاند سے زیادہ خوبصورت ہے۔

(5) شاعر اس شعر میں اپنی ندامت کو ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب مجھے یہ خیال آتا ہے کہ روزِ قیامت رب میرے اعمال کی پرسش کرے گا تو میری روح ابھی سے تڑپ اُٹھتی ہے۔ کیونکہ میرے اعمال ایسے ہیں کہ میں اپنے رب کے سامنے کھڑا بھی نہیں ہو پاؤں گا۔

تشریح غزل نمبر 2

(1) تنہا انصاری غزل کے مطلع میں اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر لکھتے ہیں کہ اے میرے محبوب تمہاری جُدائی میں جو کچھ بھی میں برداشت کرتا ہوں اور جو کچھ مجھ پر گزرتی ہیں میں اُس کو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ جُدائی میں میری حالت کیا ہوتی ہے اس کا اندازہ صرف مجھے ہے اور میں کسی دوسرے کو اپنے دل کی حالت نہیں سمجھا پاتا ہوں۔

(2) شاعر اس شعر میں اپنی ثابت قدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں ایک ایسے پھول کے مانند ہوں جو طوفان میں کھل کھلاتا اور لہراتا رہتا ہے اور خزاں کے تیز جھونکوں سے بھی میں مرجھا نہیں جاتا ہوں۔ یعنی میں ہر مصیبت کا سامنا کر سکتا ہوں۔

(3) اس شعر میں شاعر اپنی بہادری بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں ایک ٹوٹی کشتی میں سوار ہو کر طوفان میں پھنس گیا ہوں لیکن اس کے باوجود بھی میں گھبرایا ہوا نہیں ہوں یعنی چاہے زندگی میں مجھے کتنی ہی تکالیف کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے میں ان تکلیفوں سے گھبرا کر پیچھے ہٹنے والا نہیں ہوں۔

Scanned with CamScanner

(4) اس شعر میں شاعر اپنے دردمند دل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یوں تو میں بڑی بڑی مصیبت کو جھیل سکتا ہوں کسی سے لڑ کر اُس کو ہرا سکتا ہوں۔ لیکن اگر کسی نے مجھ سے کوئی اُمید وابستہ رکھی ہو تو میں اُس اُمید کو نہیں توڑ سکتا۔ میں ہر ایک سے ہمدردی سے پیش آتا ہوں اور کسی کا دل نہیں دُکھاتا۔

(5) غزل کے آخری شعر میں شاعر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر لکھتے ہیں کہ محبت کی تڑپ میں مجھے زندگی کا اصل لطف حاصل ہوا اور جب سے میں محبت میں تڑپا ہوں مجھے زندگی جینے میں مزہ آیا ہے۔ لیکن میرا محبوب چاہے مجھے کتنا ہی کیوں نہ تڑپائے میں اُس کو نہیں تڑپا سکتا کیونکہ یہ میری فطرت نہیں اور مجھے کسی کو تڑپانا آتا ہی نہیں ہے۔

سوالات:

سوال:۔ مداوا سے کیا مُراد ہے؟

جواب:۔ مداوا کے لغوی معنی ہیں علاج، لیکن شاعر کہتا ہے کہ میں جتنا زیادہ اپنے محبوب کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں تا کہ میرے دردِ دل میں کمی اجائے۔ لیکن محبوب کے دور جانے سے میرا درد دل بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

سوال:۔ شاعر کو پرش اعمال کا خیال کیوں خوفزدہ کرتا ہے؟

جواب:۔ شاعر نے ساری زندگی اپنے مجازی محبوب کی یاد میں گزاری اور ساری زندگی کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ لہذا جب شاعر کو اس بات پر پرسش اعمال کا خیال آتا ہے تو وہ خوفزدہ ہو جاتا ہے۔

سوال:۔ خزاں کے تند جھونکوں سے کیا مُراد ہے؟

جواب:۔ خزاں کے تند جھونکوں سے مُراد موسمِ خزاں کے تیز اور خشک ہوا کی لہروں سے ہے۔

سوال:۔ شاعر نے موجوں کے تلاطم کے ساتھ شکستہ ناؤ استعمال کر کے کس بات پر زور دینا چاہا ہے؟

جواب:۔ شاعر نے اس بات پر زور دیا ہے کہ میرے پاس مصیبتوں اور پریشانیوں سے مقابلہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں لیکن میں پھر بھی انچیزوں سے گھبراتا نہیں۔

شوریدہ کاشمیری

آپ کا اصلی نام غلام احمد ملک تھا اور شوریدہ تخلص۔ شوریدہ کشمیری قلمی نام کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ آپ ۱۹۲۴ء میں شوپیان کے ایک گاؤں پنجورہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے آٹھویں جماعت تک کی تعلیم شوپیان میں ہی حاصل کی۔ اس کے بعد آپ سرینگر کے اسلامیہ ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔ اور یہاں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ آپ نے ایس، پی، کالج سرینگر سے بی، اے کی ڈگری حاصل کر کے محکمہ مال میں ملازمت اختیار کی۔ اسکے بعد آپ محکمہ تعلیم میں مد

Scanned with CamScanner

رس کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ ملازمت کے دوران ہی انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم، اے اردو کی ڈگری حاصل کی اور گورنمنٹ کالج انت ناگ میں اردو کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ آپ نے یہاں برسوں تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیے اور یہیں پر سبکدوش بھی ہو گئے۔ ۱۹۹۰ء اسلام آباد میں انتقال کر گئے۔

شوریدہ کاشمیری

آپ کا اصلی نام غلام محمد ملک اور شوریدہ تخلص تھا۔ شوریدہ کاشمیری قلمی نام ہے۔ آپ 18 مارچ 1924ء کو تحصیل شوپیان کے گاؤں پنجورہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمد عبداللہ ملک تھا جو زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن اپنے بیٹے کی تعلیم کا انہیں بے حد شوق تھا۔ شوریدہ کاشمیری نے آٹھویں جماعت تک تعلیم شوپیان میں حاصل کی اور بعد میں سرینگر کے اسلامیہ ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور یہیں سے اچھے نمبرات کے ساتھ میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ایس۔ پی کالج سرینگر سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی اور محکمہ مال میں ملازم ہوئے۔ اس کے بعد محکمہ تعلیم میں استاد کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی۔ ملازمت کے دوران بھی شوریدہ کاشمیری نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پرائیوٹ امیدوار کی حیثیت سے ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ بعد میں گورنمنٹ ڈگری کالج انت ناگ میں اُردو کے لیکچرر مقرر ہوئے۔ کالج سطح پر برسوں تک درس و تدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد سرکاری نوکری سے سبکدوش ہوئے۔ 1990ء میں نئی بستی اسلام آباد میں آپ کا انتقال ہوا۔

شوریدہ کاشمیری کو بچپن سے ہی شعر و شاعری کا شوق تھا چنانچہ کالج میں داخلہ لینے کے بعد انہوں نے شاعری کی طرف خاص طور سے توجہ مبذول کی۔ آپ نے غزل کے علاوہ نظم، قطعہ اور رباعی کے فن میں بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن بنیادی طور پر آپ غزل کے شاعر ہیں۔ آپ کے دو شعری مجموعے ''جوش جنوں'' اور ''جذب دروں'' شائع ہو چکے ہیں۔ ان دونوں مجموعوں میں غزلوں کے علاوہ وقعات، رباعیات اور نظمیں بھی شامل ہیں۔

۔ تشریح غزل نمبر 1

(1) شاعر اس شعر میں کہتا ہے کہ میں محبت میں مست ہو چکا ہوں اور مجھ پر شراب کی سی خُماری چھا گئی ہے۔ محبت نے میرے اندر سورج کی سی چمک پیدا کر دی ہے یعنی محبت کی مستی میں شاعر اپنے آپ کو بہتر محسوس کرتا ہے۔

(2) شاعر عصر حاضر کے انسان کی ذہنی کشمکش کی تصویر کھینچتے ہو کر کہتا ہے کہ اس دُنیا کے لوگ تو بظاہر جاگ رہے ہیں یعنی سب کچھ دیکھ رہے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے جیسے وہ محوِ خواب ہیں اور کچھ محسوس ہی نہیں کر پاتے ہیں۔

(3) شاعر اس شعر میں لکھتا ہے کہ میری زندگی ایک ایسی کتاب ہے جس کی ورق گردانی کوئی صبح و شام کرتا ہے یعنی جس طرح ایک کتاب

Scanned with CamScanner

ورق گردانی سے خستہ حال ہو جاتی ہے بالکل ویسے ہی مری زندگی کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے اور مجھے خستہ حال کیا جا رہا ہے۔

شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر لکھتا ہے کہ اے میرے محبوب تمہارے ہونٹوں اور چہرے کی خوبصورتی ایک تازہ کھلے ہوئے گلاب کی سی ہے۔ یعنی تم بہت خوبصورت ہو۔

(5) اس شعر میں صنعتِ تلمیح کا استعمال ہوا ہے اور دریائے فرات کا ذکر کرتے ہوئے شاعر نے لکھا ہے کہ جس طرح دریائے فرات کا پانی حضرت امام حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں کے لئے میدانِ کربلا میں بے فیض ثابت ہوا اسی طرح نہ جانے کتنے ہی فرات آج بھی ہیں جو محض ایک دھوکہ ہیں۔ اُن سے کسی کو کوئی فائدہ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

تشریح غزل نمبر 2

(۱) غزل کے مطلع میں شاعر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ اللہ کی ذات اتنی عظیم ہے کہ قدرتی مناظر کی صورت میں جب رب اپنے آپ کو بے پردہ کرتا ہے تو انسان حیران ہو جاتا ہے۔ لیکن خود رب کریم انسان کو نظر نہیں آتا ہے۔ یعنی رب ایک طرف سے پردے میں بھی ہے اور دوسری طرف بے پردہ بھی۔ اور یہ پردہ اور بے پردگی انسان کو حیران کر دیتی ہے۔

(۲) شاعر محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ میں نے دنیا کی ہر غم کا، ہر مصیبت کا بہادری سے سامنا کیا لیکن تمہاری الفت اور تمہارے حُسن کے آگے ہار گیا۔

(۳) شاعر محبوب سے کہتا ہے کہ تمہاری خوبصورتی نے میرے دل کی گہرائیوں میں اپنی جگہ بنالی لیکن تمارے عشق نے مجھے برباد کر ڈالا۔

(۴) شاعر اس شعر میں لکھتا ہے کہ زندگی ایک ایسی عجیب کتاب ہے کہ ہر روز ایک نئی کہانی سامنے آتی ہے۔ یعنی زندگی پر کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ خوشی یکسر غم میں بدل جاتی ہے اور غم ایک پل میں خوشی کو صورت اختیار کر لیتا ہے۔

(۵) غزل کے مطلع میں شاعر نے لکھا ہے کہ دنیا جہالت کے اندھیرے میں گم تھی اور جہالت کے اس اندھیرے کو دنیا سے نبیؐ کے جلوۂ مبارک نے ختم کر دیا۔

سوال:۔ شاعر نے فریائے فرات کو بے فیض کیوں بتایا ہے؟

جواب:۔ فراق عراق کا ایک مشہور دریا ہے جو میدان کربلا سے ہو کر بہتا ہیں۔ اس دریا پر یزیدی فوج نے پہرہ بٹھا رکھا تھا اور یہ دریا حضرت امام حسین اور ان کے ساتھیوں کی پیاس نے بجھا سکا لہذا شاعر نے اسے بے فیض بتایا ہے۔

سوال:۔ سراب کو دھوکے اور فریب کے معنوں میں کیوں استعمال کیا جاتا ہے؟

جواب:۔ صحرا میں چمکتی ہوئی ریت کو دور سے دیکھ کر پانی کا گمان ہوتا ہے اس کو سراب کہتے ہیں اور اس لئے اس لفظ کو فریب اور دھوکے کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

سوال:۔ روز شب کی کتاب سے کیا مراد ہے؟

Scanned with CamScanner

سواب:۔روز شب کی کتاب سے مراد دنیا یا زندگی ہے جو انسان کو نت نئے سبق پڑھاتی ہے۔

سوال:۔شاعر کے نزدیک ظلمتوں کو کس نے مارا؟

جواب:۔ شاعر کے نزدیک ظلمتوں کو جلتو وہ آنحضرت نے مارا۔

شہر یار

آپ کا اصلی نام کنور اخلاق محمد خان ہے اور شہر یار قلمی نام۔۱۹۳۴ء میں بریلی مین پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم ہردوئی میں حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے علی گڑھ چلے گئے۔یہاں سے انہوں نے دسویں جماعت سے لے کر ایم،اے تک کے تمام امتحانات امتیاز کے ساتھ پاس کئے۔آپ نے جونہی ادبی دنیا میں قدم رکھا تو فوراً ادبی حلقو مین شہرت حاصل کی۔آپ انجمن اردوئے معلیٰ کے سیکریڑی اور علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ایم،اے کرنے کے بعد کچھ دنوں تک انجمن ترقی اردو ہند میں لڑیری اسٹنٹ کی حیثیت سے کام کیا۔پھر یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں لیکچرار منتخب ہو گئے۔

شہر یار۔تشریح غزل نمبرا۔

(۱) غزل کے مطلع میں شاعر زخموں پر مرہم لگا کر دل کو خوش رکھنے کی خواہش کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ پھر سے خوابوں کی دنیا بسالیں۔جہاں انسان کو کوئی غم نہیں ہوتا ہے بلکہ انسان جس طرح سے چاہتا ہے خوابوں میں اپنی مُرادیں پوری کر لیتا ہے۔

(۲) شاعر لکھتے ہے کہ ایک مدت سے میں اس طرح زندگی گزارتا ہوں جیسے میں زندہ ہی نہیں ہوں۔میرے اندر زندہ ہونے کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔کیونکہ تڑپنا میری زندگی کا مقصد ہے لیکن ایک عرصے سے میرے دل میں کوئی تڑپ ہی نہیں ہے۔اب شاعر محبوب سے ظلم سے ستم کا طلب گار ہے تا کہ محبوب کے ظلم وستم سے عاشق تڑپ آٹھے اور اُسے جینے کا احساس ہو جائے۔

(۳) شاعر کہتا ہے کہ میں عشق کا مجرم ہوں لیکن میری فریاد میرے محبوب تک نہیں پہنچتی۔اب میں چاہتا ہوں کہ پُرونے طریقے کے مطابق مجھے عشق کے کٹہرے میں مجرم کی طرح پیش کیا جائے اور میں اپنی فریاد اپنے محبوب کے سامنے بیاں کر سکوں۔

(۴) اس شعر میں شاعر لکھتا ہے کہ دیوانوں پر اس قدر سخت پہرا بٹھایا گیا ہے کہ اب ہر طرف زنجیریں ہی زنجیریں نظر آتی ہیں۔ایسے حال میں دیوانوں کے آزاد کرنا ناممکن ہے۔یعنی عشق کے جو دیوانے ہیں وہ اس قدر عشق میں مبتلا ہو چکے ہیں کہ اُن کا اب اس حالت سے نکلنا ناممکن ہے۔

(۵) غزل کے مقطع میں شاعر لکھتا ہے کہ اب دل کے بہلنے کی صرف ایک ہے صورت نظر آتی ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ پُرانی باتوں کے یاد کر کے ہی گزارا کرلوں یعنی میں اپنے ماضی کی خوشیوں کو یاد کر کے ہی دل کو بہلا سکتا ہوں اس کے بغیر اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

Scanned with CamScanner

تشریح غزل نمبر ۲

(۱) غزل کے مطلع میں شاعر زندگی کے بارے میں کہتا ہے کہ زندگی انسان کی توقع کے مطابق نہیں ہے۔ یعنی انسان جیسا سوچتا ہے زندگی میں ویسا نہیں ہوتا۔ یہاں ہر پل ہر لمحہ کسی نہ کسی کمی کا احساس ہوتا ہے۔

(۲) شاعر کہتا ہے کہ جو زندگی انسان بسر کرنا چاہتا ہے وہ زندگی صرف خوابوں ہی میں ممکن ہے۔ کیونکہ انسان کی خواہش اتنی ہیں کہ ہر خواہش کا حقیقت میں پورا ہونا ناممکن ہے۔

(۳) شاعر لکھتا ہے کہ زندگی میں جو لوگ انسان سے بچھڑ جاتے ہیں اُن کے دوبارہ ملنے کی اُمید تو ہوتی ہے لیکن یقین نہیں ہوتا۔ یعنی بچھڑے لوگوں سے ملاقات ہوں تقریباً ناممکن ہے۔

(۴) شاعر لکھتا ہے کہ یہ دنیا بہت انوکھی جدھر بھی ہم دیکھتے ہیں مختلف چیزیں مختلف تعداد میں ہمارے سامنے آجاتی ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ رب نے کسی کو ضرورت سے زیادہ دیا ہے اور کسی کو بہت کم عطا کیا ہے۔

(۵) غزل کے مقطع میں شاعر محبوب سے مضاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے میرے محبوب پہلے بھی میری اُداسی کی وجہ تمہاری دوری تھی اور آج بھی میری اداسی کی وجہ تمہاری دوری ہی ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ میری اداسی میں اتنی شدت نہیں ہے جتنی کہ پہلے تھی وہ اس لئے کہ شائد مجھے تمہوری دوری کی اب عادت پڑ گئی ہے۔

سوالات:

سوال:۔ خوابوں کی دنیا آباد کرنے کے لئے کیا کرنا ہوگا؟

جواب:۔ خوابوں کی دنیا آباد کرنے کے لئے ہمیں پرانے رسم بھرنے ہونگے اس کے بعد بھی خوابوں کو حقیقت کا روپ دیا جا سکتا ہیں۔

سوال:۔ دل بہلانے کی کیا صورت ہیں؟

جواب:۔ دل بہلانے کی ایک ہی صورت ہیں کہ ہم گزری ہوئی باتوں کو پھر سے یاد کر لے۔

سوال:۔ غزل نمبر دو کے آخری شعر کو پڑھ کر بتائے کہ شاعر کی اُداسی کا سبب کیا ہے؟

جواب:۔ شاعر کی اداسی کا سبب محبوب کی جدائی اور دوری ہے۔

سوال:۔ درج ذیل لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجئے:

(۱) احساس: مجھے آپ کی بے بسی کا احساس ہے۔

(۲) تصور: ہمیں تصور نہیں تھا کہ وہ پاس ہوگا۔

(۳) یقین: ہمیں یقین ہیں کہ ہم آخرت میں ملے گے۔

(۴) تقاضا: حامد مجھ سے قرض کا تقاضا کر رہا تھا۔

Scanned with CamScanner

(۵) مجرم: جرم کرنے والے کو مجرم کہتے ہیں۔

(۶) زنجیر:۔ مجرم کو زنجیروں میں باندھ دیا گیا۔

عابد مناوری

گوری نندن بالی نام، تخلص عابد 27 مئی 1934ء کو جموں میں پیدا ہوئے۔ ضلع جموں کی تحصیل اکھنور میں واقع گاؤں مناور اُن کا وطن ہے۔ 1952ء میں میٹرک پاس کرنے کے بعد تعلیم جاری رکھنے کی غرض سے کالج میں داخلہ لیا۔ لیکن تعلیم مکمل نہ کر سکے چنانچہ 1956ء میں حکومت کے محکمہ پنچایت میں ملازم ہو گئے۔ 1964ء سے اکاؤنٹس سروس سے وابستہ ہوئے۔ جس کے تحت حکومت میں بطور اکاؤنٹس آفسر تعینات ہوئے۔

شاعری کا آغاز کالج کی تعلیم کے آخری دنوں میں ہوا۔ پہلی غزل 1961ء میں چھپی۔ غزلوں کا پہلا مجموعہ جون 1961ء میں بیمار غزل کے عنوان سے چھپا۔ اس پر انہیں ریاستی کلچرل اکاڑمی کی طرف سے سال کی بہترین تخلیق ہونے کا اعزاز ملا۔ دوسرا مجموعہ تعلیم گل 1967ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ اس پر بھی انہیں ریاستی کلچرل اکاڈمی کا پہلا انعام ملا۔ غزلوں کا تیسرا مجموعہ برجستہ 1984ء میں سامنے آیا۔ ان کی غزلوں کا ایک مجموعہ دیوتا گری رسم الخط میں رم جم کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اسے جنت کشمیر کے نام سے 1966ء میں انہوں نے کشمیر سے متعلق نظموں کا ایک مجموعہ ترتیب دیا۔

عابد مناوری۔ تشریح غزل نمبر ا۔

(ا) جب میں اپنے آپ کو ٹٹولتا ہوں، اپنے آپ کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں، اپنے اندر کے وجود پر نظر ڈالتا ہوں، اپنے ضمیر کی آنکھوں سے دنیا کو اور خود کو دیکھتا ہوں تو مجھے خود اپنا وجود اجنبی لگتا ہے۔ جیسے میں خود کو بھی نہ جانتا ہوں۔ مجھے خود اپنے آپ کا علم نہیں کہ میں کون ہوں۔

(۲) خدا کے دروازے سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا ہے لیکن انسانوں کی ہمدردی کی توقع رکھنا فضول ہے۔ یہاں سے خالی ہاتھ ہی لوٹنا پڑتا ہے۔ پھر انسان حیران ہو کے کہتا ہے کہ اپنا سوال لے کر میں کہاں آ گیا ہوں۔ اس دروازے سے کسی کو کیا ملتا ہے۔ جو مجھے ملے گا۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اللہ کے دروازے پر ہی سوال کرے۔

(۳) اس شعر میں انسان کی اس حالت کو بیان کیا گیا ہے جب وہ حالات سے مویوس ہو جاتا ہے اور بے کسی کی حالت میں اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔ تب وہ اس پتے کی مانند ہوتا ہے جو شاخ سے ٹوٹا ہوتا ہے پھر ہوا میں اُسے جدھر چاہے لے جا سکتی ہے۔

(۴) اس دنیا میں مجھ سے سادہ لوح اور کوئی نہ ہوگا۔ میں اپنی بربادی اور تباہی پر خوش ہو رہا ہوں۔ اس شعر میں موجودہ دور کے انسان کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ جو ایک طرف دنیا کو تباہ و برباد کرنے والا ایٹمی ہتھیار بنا رہا ہے اور دوسری جانب خود دنیا کی تباہی اور بربادی کو دیکھ

Scanned with CamScanner

دیکھ کر تالیاں بجا رہا ہے۔ خوش ہو رہا ہے، دنیا کو تباہ کرنے کا سامان کون پیدا کر رہا ہے؟ خود حضرت انسان۔۔۔۔۔۔!!

(۵) میرے دل میں جو کچھ بھی تھا وہ میں نے کہہ ڈالا۔ خدا جانے میری باتیں غلط تھی یا ٹھیک، میرا انداز گفتگو درست تھا یا غلط، لیکن میں نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا ہے جو کہنا تھا سو کہہ دیا۔

تشریح غزل نمبر۲۔

(۱) میرے دل پر ہمیشہ مایوسی، غم اور اُداسی کے بادل چھائے رہے۔ جیسے میری تقدیر ہی مجھ سے روٹھ گئی ہو۔ میرے دل میں کبھی اُمیدوں کا سورج نہیں چمکا۔ میرے آنگن میں کبھی خوشی کی دھوپ نہ اُتری۔ کاش! سورج کبھی اپنا راستہ بدلتا، میرے دل کے آنگن میں چمکتا۔ میرے دل سے بھی مایوسی اور ناامیدی کے بادل چھٹ جاتے، کاش! کبھی میرے آنگن میں بھی دھوپ اترتی۔

(۲) میرا دل ہمیشہ غم سے لبریز رہا۔ دل پر ہمیشہ غم کے بادل چھائے رہے۔ کبھی جو ہلکی سی امید بھی نظر آئی لیکن اُس کا احساس فوراً ختم ہو گیا میرے دل کے اندھیرے کبھی دور نہ ہوئے۔ امیدوں کا سورج کبھی آب و تاب کے ساتھ نہیں چمکا۔

(۳) میرا دشمن میری شکست پر بڑا خوش ہے۔ ایک تو مجھے اپنی شکست کا غم ہے اور پھر میرا دشمن میری شکست سے خوش ہو رہا ہے۔ میری ہار قہقہے لگا رہا ہے۔ یہ سب کچھ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ اے امیدوں کے سورج۔۔۔۔۔۔ تو رات کی تاریکی سے باہر آ۔ تو غم کے بادلوں کو دوڑتا ہوا آ، اور میری زندگی کے اندھیرے دور کر۔

(۴) قدرت کا بھی عجیب انتظام ہے رات ہوتی ہے تو آسمان پر ان گنت تارے نظر آتے ہیں۔ چاند کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آتا ہے۔ جیسے چاند لاکھوں کروڑوں تارے رات کے چاہنے والے ہوں۔ اور پھر جب دن آتا ہے تو تارے چھپ جاتے ہیں اور سورج اکیلا رہ جاتا ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ رات کے اتنے چاہنے والے کیوں ہے۔ جب کہ دن کا چاہنے والا صرف ایک سورج ہے۔

سوالات:۔

سوال:۔ شاعر اپنے آپ کو خود سے نا آشنا کب پاتا ہے؟

جواب:۔ شاعر جب خود کو باطن یعنی دل کی آنکھ سے دیکھتا ہے تو اُسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ سے بھی نا آشنا ہے۔

سوال:۔ شاعر درست سوال لے کر کہاں جاتا ہے؟

جواب:۔ شاعر درست سوال لے کر محبوب کے در پہ جاتا ہیں لیکن یہ وہ در ہیں جہاں سے آج تک ہر کوئی خالی ہاتھ لوٹا ہیں۔

سوال:۔ شاعر اپنی تباہیوں پر خوش کیاں ہو رہا ہے؟

جواب:۔ شاعر اپنے آپ کو ایک سیدھا سادھا آدمی سمجھتا ہیں اس لئے اپنی تباہیوں پر خوش ہیں۔

سوال:۔ منہ وانجم کس شیدائی ہیں؟

جواب:۔ منہ وانجم یعنی چاند اور تارے رات کے شیدای ہیں۔

Scanned with CamScanner

پرتپال سنگھ بیتاب

پرتپال سنگھ نام اور بیتاب تخلص ہے۔ ۱۹۴۹ء میں پونچھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کیلئے گورنمنٹ پرائمری اسکول پونچھ میں داخل کیے گئے لیکن جلد ہی ان کے والد پنجاب چلے گئے۔ پرتپال نے ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ اس کے بعد جموں میں جی، جی، ایم، سائنس کالج سے بی، ایس، سی کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد انھوں نے کے، اے، ایس امتحان پاس کیا اور انڈر سیکریٹری کے عہدے پر فائز ہوئے اور ترقی کرتے کرتے کمشنر سیکریٹری کے عہدے تک پہنچ گئے۔ ۲۰۰۸ء میں نوکری سے سبکدوش ہو گئے۔

تشریح غزل نمبر ۱۔

(۱) شاعر لوہے اور پتھروں سے بنے مجانوں سے تنگ آ کر ایک کنڈر کا ارمان کرتا ہے۔ اصل میں موجودہ مشینی دور کی زندگی شاعر کو پسند نہیں ہے۔ وہ اس دور میں اپنے آپ کو بے گھر سمجھتا ہے اور ٹوٹے مکان کی آرزو کرتا ہے۔

(۲) شاعر موجودہ دور کی بے یقینی اور بے اطمینانی کی بات کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر میں راستے میں چل رہا ہوں تو مجھے اطمینان کرا دو کہ یہ راستہ ہے۔ اگر میری کوئی سمت ہی نہیں تو سفر کے لئے کوئی راستہ دیدو۔

(۳) میں قد کی اونچائی نہیں چاہتا، بے شک میری تمنا ہے کی میری ہر ٹہنی پھل پیدا کر دے۔ بے ثمر اونچا قد میرے لئے کسی کام کا نہیں ہے۔

(۴) مشہور بُت گر آزر ایک بڑا فنکار تھا، وہ پتھروں سے بُت تراشتا تھا۔ شاعر کہتا ہے کہ مجھے پتھر ہی پتھر ملے ہیں مگر آزری ہنر نہیں ملا کر، میرے ہاتھوں کو آزر کا ہنر دیجئے۔

(۵) سیپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سمندر میں اس کے اندر پانی کا قطرہ چلا جاتا ہے اور قطرہ موتی بن جاتا ہے بیتاب کہتا ہے کہ میری رگ رگ بے قرار ہے اور نظر منتظر، اے اللہ مجھے سیپ تو بنا دیا اب مجھے موتی بنا دے۔

تشریح غزل نمبر ۲۔

یہ شعر دنیا کی بے کرانی اور ویرانی بیان کرتا ہے۔ یہ دنیا میرے لئے صحرا کی طرح ہے۔ صحرا میں صرف ریت اور بے کرانی ہوتی ہے یہاں میرے لئے دلچسپی کا سامان ہی نہیں۔

(۲) مکانوں کے دروازے کھول کر دیکھ ہر مکان میں لامکانی ہی لامکانی ہے۔ مکانوں میں رہنے والے بھی لامکان ہے۔ لامکان ایسی جگہ ہے جہاں مکانیت کی تخصیص نہ ہو۔

Scanned with CamScanner

(۳) یہاں اتنی بیڑ ہے کہ کوئی کسی کو راستہ دینے کے لئے آمادہ نہیں ہے۔ اصل میں یہ شعر موجودہ زمانے کی نئی قدروں کو بیان کرتا ہے۔ جو سب کی سب منفی قدریں ہے۔ ہر جگہ بھیڑ لگی رہتی ہے، آدمی کو اطمینان نہیں، ضرورت کی چیزوں پر چھٹ پڑتا ہے، کسی کو کسی کا خیال نہیں رہتا۔

(۴) اپنے قدموں کے نشان بھی غائب ہیں، اصل میں یہ دنیا نشانیاں بھی مٹاتی ہے، کتنے آئے اور مر گے، تھوڑی مدت کے بعد بھول جاتے ہیں۔ اُن کے کارنامے اور نام ونشان باقی نہیں رہتے۔ یہاں صرف بے نشانی ہے۔

(۵) یہ دنیا ہر طرف رواں دواں ہے، مگر اے بیتاب میں رُکا رُکا سا ہوں۔ یعنی کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے دنیا کا کاروبار رُک نہیں جاتا۔

نظم

نظم کے لغوی معنی ہیں پروانا، آرایش، ترتیب اور بالترتیب۔ نظم ایک جامع اصطلاح ہے عام معنوی میں ہر کلام موزوں کو نثر سے الگ کرنے کے لئے نظم کہا جاتا ہے۔

نظم شاعری کی اس صنف کو کہتے ہیں جس میں ایک عنوان کے تحت کسی بھی طرح کے خیال واقعہ یا تجربہ کو ربط وتسلسل کے ساتھ شعری تقاضوں کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ اوس اس کلام کو پڑنے کے بعد اُس موضوع کی ابتداء، ارتقاء اور خاتمہ واضح طور پر سامنے آجائے۔

نظم کے لئے نہ تو موضوعات کی کائی قید ہے اور نہ شکل یا ہیت کی تاہم نظم کے لئے یہ ضروری ہے کہ خیال یا معنی کے اعتبار سے اس میں تسلسل ہو اور ایک شعر دوسرے شعر میں پیوست ہوتا چلا جائے۔ نظم کی چار بڑی ہیتیں ہیں۔

(۱)۔ پابند نظم:۔ ایسی نظم جس میں بہر کے استعمال اور قافیوں کی ترتیب میں مقررہ اصولوں کی پابندی کی گئی ہو۔

(۲)۔ نظم معریٰ:۔ ایسی نظم جس میں تمام مصرعے برابر کے ہوں مگر ان میں قافیہ نہ ہوں۔

(۳) آزاد نظم:۔ ایسی نظم جس میں نہ تو قافیہ کی پابندی کی گئی ہو اور نہ شعر کے استعمال میں مقررہ اصولوں کی پابندی کی گئی ہو

(۴) نثری نظم:۔ ایسی نظم جو نثر کی ہیت میں لکھی جائے اور جس کے مصرعے چھوٹے بڑے ہو۔

اور نظم کے ابتدائی نمونے دکن میں قلی قطب شاہ کے ہاں ملتے ہیں۔ لیکن نظم جدید کے ابتدائی نمونے آزاد اور حالؔی نے پیش کئے۔ ان کے علاوہ اقبالؔ، جوشؔ، فیضؔ، مجازؔ، سردار جعفریؔ، اعظمی وغیرہ نے عمدہ نظمیں لکھی ہیں۔

Scanned with CamScanner

حالؔی

الطاف حسین حالؔی پانی پت میں پیدہ ہوئے۔ان کی ابتدائی تعلیم وطن میں بعد میں دہلی میں ہوئی۔وہ اردو کے ادبی نظریہ ساز ناقد، سوانح نگار اور صاحب طرز انشا پرداز ہیں۔شاعر کی حیثیت سے بھی ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ان کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں کے اردو شاعری کو نئی راہوں پر ڈالا اور غزل اور قصیدے کی خامیوں کو واضح کیا۔ان کی غزلیں اور نظمیں لطف واثر کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کی ہیں۔ان کے کلام میں سادگی، دردمندی، اور جذبات کی پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ان کی چار اہم کتابیں حیات سعدی، مقدمہ شعروشاعری، یادگارِ غالبؔ اور سرسید کی سوانح حیات جاوید ہیں۔

حالؔی نے ایک طویل نظم مدوجزالسلام مسدس کی شکل میں لکھی جس کے بارے میں سرسید نے کہا۔ قیامت کے دن جب خدا پوچھے گا تو کیا لایا ہے تو میں کہوں گا کہ حالؔی سے مسدس لکھوا کر لایا ہوں۔

سوالات:

سوال:۔ تعلیم کی قدر و قیمت کیا ہے؟

جواب:۔ تعلیم کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہے تعلیم کے بغیر کسی بھی فرد، قوم، جماعت یا ملک کے لئے ترقی ناممکن ہے۔دنیا کے وہی ممالک ترقی پزیر ہے یہاں شہریوں میں ہر طرح کی تعلیم اور علم و ہنر موجود ہے۔

سوال:۔ حکومت اور قوموں پر زوال کیسے آتا ہے؟

جواب:۔حکومت اور قومقس پر اس صورت میں زوال آتا ہے جب وہ تعلیم کی طرف غفلت اور لاپرواہی برتے ہیں اور دوسری قومیں ان پر قابض ہوتی ہیں اور وہ اپنی حکومت کھو بیٹھتے ہیں۔

سوال:۔ شرافت اور عزت کا معیار کیا ہے؟

جواب:۔ شرافت اور عزت کا معیار صرف تعلیم کی بدولت بہتر ہوسکتا ہے۔جو قومیں شرافت اور عزت کے دعوے بغیر تعلیم کے کرتے ہیں وہ سراسر باطل ہیں۔لہذا شرافت اور عزر کا معیار برقرار رکھنے کے لئے اچھی تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے۔

سوال:۔ ترکِ تعلیم کے کیا کیا نقصانات ہیں؟

Scanned with CamScanner

جواب :۔ ترکِ تعلیم کے بے شمار نقصانات ہیں، ترکِ تعلیم کی وجہ سے سلاطین اور قوموں نے اپنی حکومت کھو کر غلامی کو دعوت دی بہت سے گھرانوں کے دروازوں پر تالے لگے۔ لوگ کوڈی کوڈی کے لئے محتاج ہو گئے۔ بے روزگاری عام ہوگی اور قوموں پر جہالت کا اندھیرا چھا گیا۔

سوال :۔ کسی ملک اور وہاں کے عوام کی ترقی کن چیزوں سے ہو سکتی ہے؟

جواب :۔ کسی ملک اور وہاں کی عوام کی ترقی صرف تعلیم سے ہو سکتی ہیں کیونکہ کسی بھی قوم یا ملک کی ترقی کے لئے تعلیم بے حد ضروری ہے۔

سوال :۔ شاعر کا حوالہ دے کر اس بند کی وضاحت کیجئے؟

جسموں نے کی تعلیم کی قدر و قیمت
نہ جانی فسلط ہوائی اُن پہ ظلمت
خلوک اور سلاطین نے کھول حکومت
گھرانوں پہ چھائی امیروں کے نکبت
رہے خاندانی نہ عزر کے قابل
ہوئے سارے دعوے شرافت کے باطل

جواب :۔ مذکورہ بند مولانا الطاف حسین حالؔی کی نظم تعلیم سے بے توجہی کا نتیجہ سے ماخوذ ہے۔ زیر حوالہ بند میں حالؔی لکھتے ہیں ہیں کہ جن لوگوں نے تعلیم کی قدر نہیں کی وہ جہالت میں ڈوب گئے۔ تعلیم کی قدر نہ جاننے کی بدولت ملوک اور سلاطین اپنی آزادی کھوئی امیر گھروں پر بھی طفلی چھا گی اور شرافت و عزت دار لوگ بے عزت ہو گئے۔

اکبر الہ آبادی

اُردو ادب کے طنز نگار شاعروں میں اکبر الہ آبادی کی بڑی اہمیت ہے۔ ان کا پورا نام سید انام اکبر حسین رضوی تھا۔ ۱۶ نومبر ۱۹۲۶ کو ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں اپنے والد سید طفیل حسن سے حاصل کی۔ قیام الہ آباد کے پہلے مکتب اور پھر جمنا مشن اسکول میں داخل ہوئے۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے انقلاب باعث تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ ملازمت کی ابتدا عرضی نویسی سے کہ ۱۸۶۶ء میں مختاری کا امتحان پاس کیا اور کچھ مدت کے بعد الہ آباد ضلع میں نائب تحصیلدار ہو گئے۔ ترقی کرتے کرتے ۱۸۸۱ء میں

Scanned with CamScanner

مصنف کے عہدے پر مامور ہوئے۔ ۱۸۹۲ء میں ششن جج ہوگئے۔ بلا آخر ۳ ستمبر ۱۹۱۱ء کو بہتر برس کی عمر میں ابدی نیند سو گئے۔

اکبر کو شاعری کا شوق بچپن سے ہی تھا۔ انہوں نے زمانے کے مزاج کے مطابق شاعری کی ابتداء غزل گوئی سے کی۔ اکبر کے کلام میں غزلوں کی تعداد کافی ہے اور ان میں اتنی جان ہے کہ انہیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کی انفرادیت ان کی ظنزلہ و مزاحیہ شاعری میں نظر آتی ہے جو ان کی ذاتی شہرت کا باعث بنی۔ اکبر کا کلام "کلیاتِ اکبر" کے نام سے تین حصوں میں شائع ہو چکا ہے۔

نئی تہذیب

سوالات:۔

سوال:۔ اکبر نے نئی تہذیب کی کون سی برائیاں بتائی ہیں؟

جواب:۔ اکبر نے نئی تہذیب کی بہت ساری بُرائیاں بیان کی ہیں۔ اکبر لکھتے ہے کہ نئی تہذیب کے اثر لوگوں کے سامان خوشی سے جدا ہو گئے۔ پردے اور گھونھٹ کا جنازہ نکل جائے گا۔ اسباب غم نئے ہونگے، زبان نئی ہوگی، شرافت کا معیار بدل جائے گا اور انسان اپنے مرتبے سے گر جائے گا۔

سوال:۔ تقلید یورپ سے کیا مُراد ہے؟

جواب:۔ تقلید یورپ سے مُراد یورپ کے رسم و رواج تہذیب و تمدن، رہن سہن اور ثقافت کی پیروی کرنا ہے۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال

ڈاکٹر سر محمد اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو بمقام سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام شیخ نور محمد اور والدہ کا نام امام بی بی تھا۔ اقبال کی ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوئی بعد میں ان کے والد نے انہیں اسکاچ مشن سکول میں داخل کر دیا۔ جہاں انہیں سید میر حسن سے عربی اور فارسی پڑھنے کا موقعہ ملا۔ اقبال نے میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانات یہیں سے پاس کیے اور جس کے بعد مزید تعلیم کے لئے انہیں لاہور کے گورنمنٹ کالج میں داخلہ اپنانا پڑا جہاں سے انہوں نے بی۔ اے اور بعد میں فلسفہ میں ایم۔ اے کیا۔ ۱۹۰۵ء اقبال انگلستان گئے جہاں وہ تقریباً تین سال رہے اس دوران انہوں نے میونخ یونیورسٹی جرمن سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور لندن سے بریسٹری کا امتحان پاس کیا۔

Scanned with CamScanner

اقبالؔ اُردو اور فارسی کے مشہور اور اعلیٰ پایہ کے شاعر ہیں۔ انہوں نے نثر میں بھی چند کتابیں لکھی ہیں۔ مگر ان کی شہرت کا باعث ان کی شاعری ہے۔ اُردو میں اُن کے شاعری مجموعوں میں بانگِ درا، بالِ جبریل، ظربِ کلیم اور ارمغان حجاز قابلِ ذکر ہیں فارسی میں بھی ان کی شاعری کے کئی مجموعے ہیں۔

اقبالؔ نے شاعری میں ایک نیا فلسفہ زندگی بیان کیا۔ ان کی شاعری میں عمل کا پیغام ملتا ہے وہ بے علمی کو موت کے برابر سمجھتے ہیں وہ بار بار اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ زندگی دراصل مسلسل آگے بڑھتے رہنے اور ایک بلند مقصد سامنے رکھنے کا نام ہے وہ خودی کی تربیت پر بھی زور دیتے ہیں اور عام سطح سے بلند ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ اقبالؔ نے اکسٹھ سال کی عمر میں ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو لاہور میں انتقال کیا اور شاہی مسجد لاہور کے احاطے میں دفن ہوئے۔

بزمِ انجم

سوال:۔ عرشِ بریں سے آنے والی آواز کس کی تھی؟

جواب:۔ عرشِ بریں سے آنے والی آواز ایک فرشتے کی تھی۔

سوال:۔ قوموں کی زندگی میں کون سی منزل کٹھن ہوتی ہے؟

جواب:۔ قوموں کی زندگی میں سب سے مشکل مرحلہ اس وقت آتا ہے جب ہر آن بدلتی ہوئی زندگی اور اس زندگی کے تقاضوں سے منہ موڑ کر قومیں اپنے پُرانے طور طریقوں اور عقیدوں پر ڈٹ جاتی ہیں اور اس سے زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ کر زوال پذیر ہو جاتی ہیں۔

سوال:۔ زندگی کے سارے نظام کس سے قائم ہیں؟

جواب:۔ زندگی کے سارے نظام اتحاد و اتفاق سے قائم ہیں کیونکہ اس دنیا میں وہی قوم کامیاب ہیں جس کے افراد متحد اور منظم رہ کر تیز رفتار زندگی سے قدم ملا کر چلیں۔

سوال:۔ نظم بزمِ انجم کا خلاصہ لکھئے۔

جواب:۔ نظم بزمِ انجم علامہ اقبالؔ کی ایک بہترین نظم تین بندوں پر مشتمل ہے نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ قائنات کا سارا نظام اتحاد و اتفاق پر مبنی ہے۔

پہلے بند میں اقبالؔ نے شام اور رات کے وقت کا منظر پیش کیا ہے۔ اقبالؔ لکھتے ہیں کہ دن جب ڈل جاتا ہیں تو غروبِ آفتاب کے وقت شام اس طرح دکھائی دیتی ہے مانو کہ سونے کے زیور پہنے ہوں اور اس کے بعد خاموشی سے رات آتی

Scanned with CamScanner

ہیں اور اس جہاں سے دور آسمان پر تارے چمکتے ہیں اور فرشتوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

دوسرے بند میں اقبالؔ نے چمکتے ہوئے تاروں کو رات کا پہرے دار بتایا ہے اور تاروں سے کہا ہے کہ کوئی ایسا نغمہ چھیڑو جس سے سونے والے جاگ اُٹھے۔ اقبالؔ نے تاروں کو قافلوں کا رہبر بتایا ہے اور آسمان پر جتنی بھی چمک ہیں وہ تاروں کی بدولت ہے۔

اقبالؔ تیسرے بند میں لکھتے ہیں کہ دراصل تاروں کی چمک میں اللہ کا نور چمکتا ہے۔ اقبالؔ لکھتے ہیں کہ قوموں کے سفر میں وہ مرحلہ مشکل ہے جب قومیں اپنے آپ کو بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ بدل نہیں پائے کیونکہ اس تیز رفتار زندگی میں وہ لوگ بچھڑ جاتے ہیں جو خود کو حالات کے موافق نہیں ڈالتے۔ اقبالؔ لکھتے ہیں کہ دنیا والے ساری عمر بات نہیں سمجھ پائے کہ کائنات کا سارا انظام اتفاق و اتحاد پر مبنی ہے۔

سوال:۔ منظر نگاری سے کیا مُراد ہے؟

جواب:۔ منظر نگاری سے مُراد کسی منظر کی ایسی تصور کشی کرنا کہ تصویر آنکھوں کے سامنے آجائے اور قاری کو ایسا لگے جیسے وہ یہ منظر پڑھ تا نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

سوال:۔ مندرجہ ذیل اشعار کی وضاحت کیجئے۔

آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

جواب:۔ مذکورہ شعر میں اقبالؔ فرماتے ہیں کہ قوموں کی زندگی میں سب سے مشکل مرحلہ اُس وقت آتا ہیں جب ہر آن بدلتی ہوئی زندگی اور اس زندگی کے تقاضوں سے منہ موڑ کر قومے اپنے پُرانے طور طریقوں اور عقیدوں پر ڈٹ جاتی ہیں اور اس طرح سے زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ کر زوال پذیر ہو جاتی ہیں۔

ہیں جذب باہمی سے قائم نظام سارے
پاشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

جواب:۔ مذکورہ شعر میں اقبالؔ فرماتے ہیں کہ اتحاد و اتفاق سے دنیا کے سارے نظام ہیں اور اس کی مثال تاروں کے نظام میں چھپی ہوتی ہے۔

Scanned with CamScanner

اتفاق میں طاقت ہے

دنیا کے کسی بھی ملک یا قوم کی ترقی تب تک ناممکن ہے جب تک کی اس کے افراد میں اتحاد و اتفاق نہ ہو۔ اتفاق کے بغیر کوئی بھی کام بخوبی انجام نہیں دیا جا سکتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن اقوام میں اتفاق کا فقدان رہا ہے وہ زوال پزیر ہوتی ہے ان اقوام نے نہ صرف اپنی عزت آبرو اور حکومت کھوئی بلکہ دنیا کی سب سے پیاری چیز آزادی بھی کھوئی اور غلامی کرنی پڑی۔ لہذا وہ قوم اور ملک جو امن و سکون سے رہنا چاہتے ہے جو ترقی کی منزلیں طے کرنا چاہتے ہیں اور جو دنیا میں با عزت اور مہذب زندگی گزارنا چاہتے ہیں ان میں اتحاد و اتفاق کا ہونا لازمی ہے کیونکہ درجہ بالا ہر ایک چیز کے لئے اتحاد و اتفاق کا ہونا شرت ہے اتفاق کے بدولت ہی کائنات کا سارا نظام قائم ہے لہذا ہمیں چاہئے کہ ہم اتفاق کے حامی بنے۔

چکبست

نام پنڈت برج نرائن چکبست اور تخلص بھی چکبست تھا۔ والد کا نام پنڈت اودت نرائن چکبست تھا۔ وہ بھی شاعر تھے اور یقین تخلص تھا۔ یہ اصلا کشمیر برہمن تھے۔ ان کے اجداد کشمیر سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔ چکبست ۱۸۸۲ء کو فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ وکالت کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وکیل ہو گئے۔ وکالت اور دوسرے سلسلوں میں لکھنو آنا جانا لگا رہتا تھا مگر ۱۹۲۶ء میں وہیں سکونت اختیار کر لی اور وہاں کے ممتاز وکلاء میں شمار کئے جاتے تھے ۱۹۴۶ء میں رانے بریلی کے اسٹیشن پر فالج کا شکار ہو گئے اور چند ہی گھنٹوں میں انتقال کر گئے۔

ان کی غزلوں میں غالب کا سا فلسفانہ انداز اگر چہ کم ہے لیکن بہت خوب ہے۔ زبان اور بیان پر آتش کا اثر ہے۔ ان دونوں کے امتزاج سے ان کی ذہانت اور فکر رسا نے اپنا ایک انفرادی رنگ پیدا کر لیا تھا۔ ان کا مجموعہ کلام ''صبح وطن'' چھپ چکا ہے۔

کشمیر

سولات:۔

سوال:۔ شاعر نے اس نظم میں کشمیر کی صبح کا منظر کس طرح پیش کیا ہے؟

Scanned with CamScanner

جواب:۔شاعر نے اس نظم میں صبح کا منظر نہایت ہی خوبصورتی سے بیان کیا ہے شاعر لکھتے ہیں کہ کشمیر میں صبح پہاڑوں پر پھول اپنی خوشبو لیکر دیتے ہیں چڑیاں جماڈیوں میں میٹھے گیت گاتی ہیں۔آسمان پر ایسی لالی چھا جاتی ہے جیسے کسی پہاڑ پر گل لالہ چمکتا ہو اور پھول اپنے ایکھائی دیتے ہیں جیسے پریایوں اور ہلکی ہلکی سہانی ہوا چلتی ہے۔

سوال:۔شاعر کو کس چھوٹے ہوئے باغ کی یاد آتی ہے؟

جواب:۔شاعر کو چھوٹے ہوئے کشمیر کی یاد آتی ہے۔

سوال:۔کشمیر کی خاک نے کون کون سے عالم ورانا اٹھے ہیں استاد سے پوچھ کر ایسے پانچ نام لکھئے۔

جواب:۔کشمیر کی خاک سے بہت سے عالم ودانا پیدا ہوئے ملامہ عنفر شاہ کاشمیری حبہ خاتون، شیخ نورالدین ولی مہجور۔

سوال:۔درج ذیل اشعار کو نثر میں لکھئے۔

وہ طاتر کہسار لبِ چشمۂ کیسار
وہ سرد یوا اور کرمِ ابر گہربار
وہ میوۂ خوش رنگ وہ سرسبز چمن زار
اک آن میں محنت ہو جو برسوں کا ہو بیمار

جواب:۔شاعر فرماتے ہے کہ کشمیر کے پرندے پہاڑوں سے اونچی پرواز رکھتے ہیں اور زمین کی خدوں کو پار کر جاتے ہے۔ یہاں کی ہوا نہ صرف سرد ہوتی ہے بلکہ یہاں کے بادل بھی موتیوں کی طرح پرستے ہیں۔یہاں کے میوں اور سبزار کا رنگ ہی نرال ہے برسوں کا بیمار انسان چند لمحوں میں صحت یاب ہوسکتا ہے۔

شہ زور کاشمیری

غلام قادر شتہ زور کاشمیری ۲۷ فروری ۱۹۱۵ء کو چوٹہ بازار سرینگر میں پیدا ہوئے۔والد کا نام غلام محمد خان تھا۔مروجہ ابتدائی تعلیم کے بعد شہ زور کاشمیری کو مشن ہائی اسکول میں داخل کیا گیا۔۱۹۲۵ء میں انہوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۳۶ء میں ایس۔پی کالج سے ریاضی کے مضمون کے ساتھ بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔اس کے بعد وہ محکمہ تواضح میں کلرک کی حیثیت سے ملازم ہوئے اور ترقی کی مختلف منزلیں طے کرتے ہوئے فائنانشل ایڈوئزر کے عہدے تک پہنچے۔۱۹ جون ۱۹۹۰ء کو سرینگر میں وفات پائی۔

Scanned with CamScanner

دوسرے کشمیری شاعروں کی طرح شہ زور شاعری بھی وادی کشمیر کے خوبصورت مناظر کے ساتھ ان کے گہرے جذباتی لگاؤ کا احساس ہوتا ہے۔ انہوں نے یہاں کے مرغزاروں، برف پوش پہاڑوں، یہاں کی ندیوں، جھیلوں اور خوبصورتی کے دوسرے مناظر کی عکاسی بڑی عمدگی اور کمال فنکاری کے ساتھ کی ہے۔ صبح شالیمار، نامئش گاہ، آزادی کی دستک ارامیرا کدل جیسی نظمیں اس سلسلے میں مثال کت طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ پری محل بھی اسی قبیل کی نظم ہے جو شہ زور کی نمائندہ نظموں میں شامل ہے اور کشمیر کی خوبصورتی سے متعلق لکھی گئی اُردو نظموں میں اپنا مقام رکھتی ہے۔

پری محل

سوالات:۔

سوال:۔ شاعر کے نزدیک کشمیر میں بہار کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟

جواب:۔ شاعر کے نزدیل کشمیر میں بہار کی کیفیت نا قابلِ فراموش ہے۔ کشمیر میں مغل بہار میں ندیاں اور بادل متی میں جھومتے اور لگائے ہیں اور ایسی کیفیت پیدا کرتے ہیں کہ انسان پر دیونگی چھا جاتئ ہیں ہر طرف رنگ برنگی اور روشنی ماحول کو محطر کر دیتی ہیں اور ساری متامی دولھن جیسی لگتی ہے۔

سوال:۔ شاعر نے کشمیر کو گلکدہ کیوں کہا ہے؟

جواب:۔ شاعر نے کشمیر کو گلکدہ اس لئے کہا ہے کہ کشمیر دنیا بھر میں رنگ برنگی، خوشبودار اور مہکے قسم کے پھولوں کے لئے مشہور ہیں۔

سوال:۔ ہر قدم پر اہتمام رنگ و بو کہاں ہوتا ہے؟

جواب:۔ شاعر کے نزدیک ہر قدم ہر رنگ و بو کا اہتمام کشمیر میں ہوتا ہے۔

سوال:۔ مسدس سے کیا مُراد ہے؟

جواب:۔ مسدس اُس نظم کو کہتے ہیں جس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوتے ہیں پہلے چار مصرعے ایک ردیف و قافیہ میں اور آخری دو مصرعے الگ ردیف اور قفیہ ہوتے ہیں۔

سوال:۔ اس نظم کا ماحصل اپنے لفظوں میں لکھئے۔

Scanned with CamScanner

جواب:۔ شاعر اس نظم میں اس منظر کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو پری محل کے اردگرد پھیلا ہوا ہے شاعر اپنے مخفل کی بنا اس منظر کی تمام تصویروں کو خوبصورت لکیروں، استعاروں اور ترکیبوں میں پیش کرنے کی رہگتاں اور رعنایاں یہاں خوفتانی کررہی ہیں۔

سوال:۔ اس بند کی وضاحت کیجئے۔

کوہ سبزہ پوش پر ہے ضوفگن قصر زری
طور کی بجلی ہے گویا محو جلوہ گستری
سبز جھاڑی میں ہے بیٹھی کوئی رنگین تیتری
یا زمرد زار میں ہے رقص فرنما اک سیری
چاند اترا ہے ملک سے سرزمیں حسن پر
شیت ہے یا قسقیہ زنگین جبین حسن پر

جواب:۔ مذکورہ بند شہ زور کاشمیری کی نظم ''پری محل'' سے ماخوذ ہے۔ شاعر لکھتے ہیں کہ سرسبز کوہ پر پری محل سونے کے محل کی طرح چمکتا ہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے کوہِ طور پر بجلی چمکتی ہوں یا پھر کوئی حسن وجمیل تیزی کس سبز جھاڑی میں بیٹھی ہوں اور کبھی یوں لگتا ہیں۔

جیسے رمشرد پھروں کے میدان میں کوئی پری ناچ رہی ہو جیسے چاند زمین پر اتر آیا ہوا اور جیسے کسی دوشیزہ کے ماتھے پر ملک چمک رہا ہو۔

اختر الایمان

اختر الایمان کی ولادت ۱۹۱۵ء میں نجیب آباد ضلع بجنور میں ہوئی۔ ان کے والدین کی مالی حالت بہت کمزور تھی۔ کم سنی میں انہیں گزراوقات کے لئے دہلی آنا پڑا۔ یہاں ایک یتیم خانے میں داخل ہوگئے اور ایک عرصے تک کشمیری کی زندگی گزارتے رہے۔ یہ زمانہ ان کی زندگی کا سب سے تاریک اور تکلیف دہ زمانہ تھا مگر اسی زمانے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ان کی زندگی میں نور ونکہت بکھیر دیا اور اُردو کو ایک زبردست شاعر عطا کیا۔

Scanned with CamScanner

وہ ایک علامتی شاعر ہیں اس لئے ان کی نظمیں غور وفکر کا مطالبہ کرتی ہیں۔ان کی چھوٹی نظموں میں شدت احساس پوری طرح جلوہ

گر ہے'یادیں' اور جنت الحمات ان کے شعری مجموعے ہیں مشہور نظم ایک لڑکا ان کی سب سے مقبول نظم ہے۔اس نظم میں ایک کشمکش کا اظہار ہوا ہے جس میں وہ بچپن سے مبتلا رہے ہیں ۱۹۹۴ء میں اُن کا انتقال ہوا۔

قبر

سوالات:۔

سوال:۔شاعر نے ریش کے بیٹے کی زبانی قبر کی زندگی کی کیا تفصیل بیان کی ہے؟

جواب:۔شاعر نے ریش کے بیٹے کی زبانی قبر کی زندگی کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ وہاں نہ کوئی دوست، ہمدم اور نہ ہی کوئی پیار کرنے والا ہے۔ایک اندھیری کوٹھری ہے جس میں کھانا، پانی اور نہ ہی روشنی ہے۔وہاں جو کچھ بھی ہوگا انسان کو پنے لئے ہی سہنا پڑے گا اور کوئی اس کی مدد کو نہیں آئے گا۔

سوال:۔غریب کے بچے کو قبر کی باتیں سن کر اپنا گھر کیوں یاد آیا؟

جواب:۔قبر کی تیں سن کر غریب کے بچے کو اس لئے اپنا گھر یاد آیا کہ حالات اور اس کے گھر کے حالات بہت زیادہ متاہبت رکھتے تھے۔

سوال:۔اس نظم میں آخری مصرعہ نکال دیا جائے تو اس نظم کے تاثر ہر کیا اثر پڑے گا؟

جواب۔یہ نظم ایک طنزیہ نظم ہے لیکن اس کا کمال یہ ہے کہ اس کا طنزیہ پہلو ختم بالکل آخر ظاہر ہوتا ہیں آخری مصرء کو نکال دیا جائے تو نظم کا طنزیہ پہلو ختم ہو جائے گا اور نظم مہز ایک قصہ کا بیان لگنے لگے گی۔

سوال:۔نظم محسرا سے کیا مُراد ہے؟

جواب۔ایسی نظم جس کے تمام مصرعے برابر کے ہوں مگر ان مین قافیے کی پابندی نہ ہو نظم محرا کہلاتی ہے۔کچھ لوگوں نے اسے نظم عاری بھی کہا ہے۔

مثنوی

مثنوی عربی زبان کے لفظ ثناء سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں دو یا دو والی چیز۔مثنوی مسلسل اتحاد کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جس

Scanned with CamScanner

میں ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر کے قافیے الگ الگ ہوتے ہیں۔ مثنوی کے اشعار کی تعداد مقرر نہیں ہے۔
اُردو میں طویل اور مختصر دونوں طرح کی مثنویاں لکھی گئی ہیں۔ طویل مثنویوں میں میر حسن نے ''سحر البیان'' اور دیا ''شنکر نسیم'' ''گلزارِ نسیم'' ہے مثنوی میں حسن و عشق، پند و نصیحت، مدح کے موضوعات نظم کیے جا سکتے ہیں۔
اُردو مثنوی کا آغاز کن میں ہوا۔ اُردو کی پہلی مثنوی خواجہ حسن نظامی کی کدم داو پدم راو ہے۔ علاوہ ازیں ملا وجہی غواصی، نصرتی، آزاد، حالی، نواب، مرزا مثنوی، میر تقی میر وغیرہ نے عمدہ مثنویاں لکھی ہیں۔

نواب مرزا شوق

نواب مرزا کا اصلی تصدق حسین خان تھا۔ لکھنو کے ایک معزز گھرانے کے فرد تھے۔ ان کا خاندانی پیشہ طبابت تھا۔ شاعری میں وہ آتش کے شاگرد تھے۔ وہ اپنے وقت کے مشہور حکیم بھی تھے لیکن اُردو ادب کی تاریخ میں ان کے شہرت تین مثنویوں کی بناء پر ہے۔ ان میں دو مثنویوں فریبِ عشق اور بہارِ عشق۔ 1860ء اور 1864ء کے درمیان لکھی گئی۔

سوال:۔ سرائے فانی سے کیا مُراد ہے؟

جواب۔ سرائے فانی سن ادفنا ہونے والی جگہ یا دنیا ہے چونکہ دنیا ناپائیدار ہے اور ختم ہونے والی ہے اس لئے دنیا کو سرائے فانی بھی کہتے ہیں۔

سوال:۔ رشکِ یوسف سے کیا مُراد ہے؟

جواب۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا کے تمام مردوں میں حضرت یوسفؑ سب سے زیادہ خوبصورت تھے لہذا جب کوئی انسان حضرت یوسفؑ جیسا خوبصورت دیکھنے میں ہو تو وہ اپنی خوبصورتی کے اوپر رشک کرتا ہے۔

سوال:۔ دُنیا کی ناپتداری پر پانچ جملے قلمبند کیجئے؟

جواب۔ دنیا کا ایک عارضی آرام گاہ ہے اس سے جڑی ہر چیز را اپنے اندر ثبات نہیں رکھتی یہ دنیا غم، پریشاں اور مصیبتوں کا گھر ہے۔ یہاں ہر آن زندگی بدلتی رہتی ہے اور یہاں کی تیز رفتار زندگی میں اکثر لوگ اپنے ارمانوں کو پورا نہیں کر پاتے بلکہ دل میں دبا کر زندگی گزارتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner